حدیث

محمد اظہر مدنی

غیبت نہ کرو

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اتدرون ما الغيبة؟ قال ذكرك اخاك بما يكره. قيل: افرأيت ان كان في اخي ما اقول؟ قال: ان كان فيه ماتقول، فقد اغتبته وان لم يكن فيه، فقد بهته (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیاتم لوگوں کو معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا تذکرہ اس انداز سے کرو کہ اسے ناگوار گزرے:صحابیٔ رسول نے عرض کیا اگر یہ بات اس کے اندر موجود ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس میں وہ سب باتیں موجود ہوں (جو کہنے والے نے کہی ہیں) تب تو وہ غیبت ہے اور اگر یہ سب باتیں اس کے اندر موجود نہ ہوں تب تو وہ بہتان ہے۔(صحیح مسلم)

غیبت نہ کرنے کی سخت ممانعت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ** (سورہ حجرات:۱۲)

’’اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،اور اللہ سے ڈرتے رہو،بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔‘‘

کچھ برائیوں کو کچھ لوگ غیر شعوری طور پر بیان بھی کرتے ہیں۔گناہ کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ان میں سے ایک غیبت بھی ہے زیادہ تر لوگ اس کو انتہائی معمولی سمجھتے ہیں اور جہاں کہیں بھی دو چار لوگ جمع ہوتے ہیں دوسروں کی غیبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔جبکہ اسلام میں غیبت کو بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔غیبت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی برائیوں اور خامیوں کو دوسرے لوگوں کے مابین اس طرح بیان کیا جائے جس کو متعلقہ شخص برا سمجھے اور اگر کسی کے بارے میں خلاف واقعہ کوئی بات منسوب کی جائے تو یہ بہتان ہے اور اسلام کی نظر میں دونوں گناہ کا کام ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں بھی کہا گیا ہے کہ جس کی برائی کی جارہی ہے اگر اس کے اندر وہ برائی اور عیب نہیں ہے تو وہ بہتان یعنی الزام تراشی کے زمرے میں آئے گا۔

چغلخوری غیبت آج ہمارے سماج کا ایک حصہ بن چکی ہے۔لوگ اس کو تفریح سمجھنے لگے ہیں۔تھوڑی سی کسی سے ان بن ہو جاتی ہے۔تعلقات کسی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں ایک دوسرے کی غیبت اور چغل خوری شروع کر دیتے ہیں۔جب تک ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے۔جیسے ہی کسی معاملہ کو لے کر تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو پھر غیبت اور بہتان تراشی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے یہ سب خاندان اور معاشرہ میں تلخی کا سبب بنتا ہے اور غیبت کی بہت سی باتیں افواہ بن جاتی ہیں جس کی وجہ سے کئی دفعہ اسی جھوٹی افواہ سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔ایسی باتیں محض ایک دوسرے کے بیچ کدورت پیدا کرنے کے لئے کہی جاتی ہیں۔اسی لئے قرآن نے کسی بھی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے۔جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ** (سورہ حشر:٦) ’’اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ۔‘‘

عام طور سے غیب اور چغل خوری عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔اور دیکھا اور سنا بھی گیا ہے کہ جہاں کچھ خواتین جمع ہوتی ہیں وہاں پر ایک دوسرے کے نقائص کو بیان کرتی ہے۔حدیث میں اور قرآن میں غیبت کو جرم عظیم قرار دیا گیا ہے اور اس کو بھائی کے گوشت کے کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیبت اللہ کے نزدیک کتنا مبغوض اور مذموم ہے۔اس لئے کسی کی برائی اور کمیوں وخامیوں کو لے کر غیبت کرنے کے بجائے اس کی تنہائی میں اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے۔کسی مجمع میں جاکر کسی کی برائی کو بطور استہزار اور تحقیر بیان کرنا شرعی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اللہ تعالیٰ ہم سبھی لوگوں کو غیبت اور الزام تراشی سے احتراز کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

☆☆☆

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہٰ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
سماج میں ظلم وسرکشی کی خطرناکیاں اور نتائج	۷
ظالموں کا انجام	۱۴
دعاومناجات میں شرک بدترین گناہ	۱۷
معصوم بچوں کی موت پر صبر	۲۰
حسن اخلاق کی اہمیت	۲۴
حادثۂ کربلا۔ تاریخ کے آئینے میں	۲۸
گاؤں محلّہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے	۳۰
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۱
جماعتی خبریں	۱۹
اشتہار اہل حدیث منزل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ______ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ______ ۷/روپے
پاکستان ______ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

دینداری وخودداری یا دین بیزاری

انسان فطری اعتبار سے بھی اور تمدنی وتہذیبی ضروریات کے پیش نظر بھی متمدن واقع ہوا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں بتایا یہی گیا ہے کہ وہ ایک ماں باپ سے پیدا ہوا ہے۔ اس کی پیدائش تنہا ہوئی ہے، وہ دنیا میں اکیلا ہی آیا تھا اور اکیلا ہی اس دنیا سے سدھار جائے گا۔ قبر میں بھی تنہا رہے گا اور حشر میں بھی اس کی تنہا جوابدہی ہوگی اس لیے دنیا میں بھی اسے خلوت نشینی اور تنہائی اختیار کر لینی چاہئے، گوشہ نشینی ہی انسان کی کامیابی اور اس کے مقصد حیات کی تکمیل ہے۔

بظاہر یہ فلسفہ مناسب اور موزوں ہے اور دنیا کے جھمیلوں اور بہت سی لایعنی اور بے معنی باتوں اور جھنجھٹوں سے دوری کا سبب اور چھٹکارا کا ذریعہ ہے۔ آلائش دنیا سے پاکی اور صفائی اور معاشرتی آلودگی سے بچاؤ کا طریقہ ہے اور تعلق مع اللہ، فنا فی اللہ اور خفاء للہ کے زمرۂ صالحہ میں داخل ہونے کا بھی اہم راستہ ہے۔ لیکن ایمانداری، غیر جانبداری، حقائق، مقاصد حیات اور فطرت کا تقاضا ہے کہ ان تمام مذکورہ فلسفات کو وساوس، خواطر قلب اور خواب وسراب سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے کیوں کہ یہ فطرت کے بھی خلاف ہے اور نظم عالم اور مقصد حیات کے بھی۔ بظاہر یہ خیال جتنا اچھا، مفید اور دینی وایمانی لگتا ہے اتنا ہی زیادہ خطرناک اور زہرناک بھی ہے۔ اور یہ زہر جب امت وانسانیت کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے تو فساد و بگاڑ کا لامتناہی سلسلہ ولاعلاج مرض بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس ناسور سے جسم خراب وبرباد ہو جاتا ہے۔ اقوام عالم میں سے یہ قدم لوگوں نے مختلف اوقات واماکن میں اٹھائے اور ہلاک وبرباد ہوئے۔ جوگیوں، سنیاسیوں اور سنتوں نے دنیا داری سے الگ ہوکر دین داری کی راہ اپنائی اور اپنے مقصد حیات اور خالق ومخلوق کے حقوق وواجبات کو پس پشت ڈال دیا۔ صوفیوں اور فقیروں نے عزلت نشینی اور خلوت گزینی اختیار کی اور معاشرتی وتمدنی اور ازدواجی زندگی سے سنیاس لے لیا اور دنیا سے دوری اختیار

کر لی۔ خلق خدا سے کٹ کر اور دنیا جہان سے ہٹ کر گوشہ نشینی اور خانقاہی زندگی شروع کی۔ کچھ لوگوں نے رہبانیت کی غیر فطری و غیر عملی راہ اپنائی اور دنیا جہان سے الگ تھلگ اپنی بستی بسائی مگر اس غیر فطری طرز زندگی کو اپنانے کی وجہ سے پکے دنیادار قرار پائے۔ دین و دنیا میں ایسی تفریق و تمیز روا رکھی کہ وہ دنیا طلبی میں انتہا کو پہنچ گئے اور دینداری میں بھی دوسری انتہا پر جا پہنچے۔ اور اس افراط و تفریط کی وجہ سے **مالله لله ومالقيصر لقيصر**۔ اس غیر فطری، غیر دینی اور غیر انبیائی طریقہ سے ہٹ کر انہوں نے دین کی فکر میں اپنی اور ملک وملت کی دنیا برباد کر دی اور مجبوراً دنیا کی طرف راغب ہوئے تو بلاتمیز خیر وشر اور بغیر تفریق حلال وحرام دنیا پر ٹوٹ پڑے۔ اخلاقی دینی، معاشرتی، تمام آداب وشروط اور احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا، ایسی بغاوت اور براءت کا برتاؤ روا رکھا کہ بے محابا اور بے دھڑک دنیا طلبی کے لیے ہر ظلم و زیادتی اور تصرف کو اپنا حق سمجھ لیا، دین وایمان اور اس کے تقاضوں اور مطالبات کو اپنا پرائیوٹ اور ذاتی وخیالی تصور ومعاملہ سمجھ لیا۔ اور ضلالت وگمراہی کے عمیق گڈھے میں جا گرا اور ضالین قرار پایا اور یوں دین وایمان دونوں کے خسارہ "**خسر الدنیا والآخرة**" کا مصداق ٹھہرا۔ دنیا سے مکمل کنارہ کشی نے تربیت اولاد، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ، کاروبار حیات، سیاسیات ومعاشیات اور سماجیات کے پورے نظام اور ڈھانچے کو بگاڑ وفساد کی آماجگاہ بنا دیا۔ اور ظاہر ہے دنیا دار الاسباب ہے۔ نسل انسانی کی بقا کا دار ومدار تناسل وتوالد پر ہے۔ اور وہ انحصار کرتا ہے شادی بیاہ اور مرد وعورت کی ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے سے اور اس گاڑی کو دونوں پہیوں پر چلانے سے اور یہ سب کچھ ایک گھر، کنبہ، خاندان ومعاشرہ حتی کہ ملک وملت کا محتاج ہے اور اس کا بھرپور تقاضا کرتا ہے۔ بھلا بتاؤ ان سب سے کٹ کر کنارہ کشی اختیار کر کے رہبانیت اور جوگ کے طور وطریقہ کو اپنا کر اس دنیا کی گاڑی چند سال بھی چل سکتی ہے؟۔ اگر اس رجحان ومیلان اور خیالات کے حاملین دین پسندوں اور اللہ والوں کی مان لیں اور دنیا ان کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے تو پھر جس طرح سے دنیا اور اس کے جھمیلوں سے بھاگ کر نجات و پناہ کی جو راہ اپنا رہے ہیں اس میں پھر ایک خلقت کی بھیڑ جمع ہو جائے گی اور دوسری بہت سی تمدنی ومعاشرتی دنیا بسنے لگے گی اس پر اس غیر فطری عمل کا ردعمل اور اس کے منفی، جنسی اخلاقی ومعاشی، سماجی بدترین اثرات جو مرتب ہوں گے۔ پھر جائے مفر کہاں؟ پھر تو یہ "**فر من المطر وقام تحت الميزاب**"، "بارش کی بوندوں سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے جا پہنچنے" کے مصداق ہوگا۔ لہٰذا موجودہ چیلنجز، دنیاداری اور اس میں انہماک اور اس کے مختلف تانے بانے اور ہر شعبہ زندگی میں اس کے اثرات اور پیدا کردہ مشکلات کے نتیجے میں دینی تقاضوں اور دین پر چلنے اور اسے برتنے کے سلسلہ میں مشکل حالات سے راہ فرار اختیار کر کے رہبانیت یا گوشہ نشینی کی راہ اختیار کرنا اور اس کو فکر وفلسفہ کے طور پر پیش کر کے چند افراد اور ان کے خصوصی حالات وطبائع کے لیے ان کے دینی طور پر جواز کی راہ فراہم کرنا ہو تو کسی کے انفرادی معاملہ میں عدم مداخلت کی بات کہی جا سکتی ہے مگر عام نظریہ، مسلک اور فتوی کی حیثیت سے یہ انتہائی خطرناک ثابت ہوگا اور یہ دین کے نام پر دین بیزاری کی راہ پر گامزن کرے گا جس کا تجربہ دنیا بار ہا کر چکی ہے اور قرآن کریم نے اس سراب اور چمکتی ہوئی بظاہر دین پرستی کو صاف صاف مسترد کر دیا ہے۔ "**وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ**"۔ (الحدید: ۲۷) "ہاں، رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا"۔

یہ غلط فہمی ہرگز نہیں پالنی چاہئے اور اس مغالطہ میں ہرگز نہ پڑنا چاہئے کہ فتنوں کی سرزمین اور فتنہ وفساد کا دور دورہ ہو تو آدمی اپنی بکریوں کو لے کر اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے پہاڑی اور کسی گھاٹی وچوٹی میں پناہ لے لے۔ یہ خاص حالات، خاص اشخاص اور خاص ماحول وتناظر میں ہے وہاں بھی بکریوں کا معاملہ اور دنیا داریوں سے ہٹ کر نہیں ہے اس میں دنیاداری اور اس کے اسباب کو لے کر ہی جانے کا ذکر ہے۔ اس کے اور بھی لوازمات ومضمرات ہیں۔ اسے انقطاع عن الدنیا اور رہبانیت والی زندگی سے کیا لینا دینا! اضطرار وصبر آزما حالات میں بھی عزیمتوں کی راہ جو انبیاء علیہم السلام اور اصحاب دعوت وعزیمت کا وطیرہ واسوہ اور ہر کٹھن ومشکل وقت میں رہنما خطوط اور نقش قدم رہا ہے ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ قائدین عالم، سربراہان ملک وملت، سرداران

قوم وملت اور علماء و مصلحین اور معلمین عالمین کے لیے اس میں عبرت و موعظت اور نصیحت ونموذ جیت ہے۔فافهم و تدبر

بہرحال نیتوں اور عملوں کے ساتھ ساتھ فکرونظر کا بھی بڑا امتحان ہے۔اور ان سب کا وقتی محاسبہ بھی وسیع تر تناظر میں خود سے بھی کرنا ہے اور حالات کا جبر اور نفسانیت کا غلبہ، مفادات پرستی وخودغرضی، مصلحت و مداہنت کا غرور، دھوکہ اور وقتی چالاکی وموقع پرستی کا شکار ہوئے بغیر عزم واستقلال اور ہمت وحکمت کی راہ اپنائی جائے۔ناگفتہ بہ حالات، مشکل ترین ماحول اور صبر آزما اوقات میں انبیائے کرام اور سلف امت کا یہی اسوہ وشیوہ رہا ہے جسے مدنظر رکھنا چاہیے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔" اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا" (احزاب:۱۰-۱۱)" جبکہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر اور نیچے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح جھنجھوڑ دیئے گئے"۔

"حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ" (یوسف:۱۱۰)" یہاں تک کہ جب رسل ناامید ہونے لگے اور وہ (قوم کے لوگ) خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا تو فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی، پھر جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی اور بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا۔"

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ" (بقرہ:۲۱۴)" کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں پیدا ہوئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے اور اس کے ساتھ کئی ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو! کہ اللہ مدد قریب ہی ہے" مطمح نظر رہے۔

ایک اور خطرناک رجحان جو اکثر انسانوں میں سرایت کر جاتا ہے اور اس کو اس کی دنیوی واخروی قباحتوں کا اندازہ نہیں ہو پاتا ہے اور وہ بھی دنیا سے بے نیازی اور خود اپنی ذات کے حصار میں محصور رہنے، ہم چنیں دیگرے نیست، اور ہم کسی کے محتاج نہیں جیسے رجحان کے نتیجے میں طاغوت وبغاوت اور سرکشی کی راہ ہے۔اور یہ رجحان بسا اوقات خودی اور خودداری اور بے نیازی واستغنا کے نام پر پروان چڑھتا ہے اور انسان دنیا سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ایسے لوگ دنیا سے الگ تھلگ رہنے کے جذبہ سے سماجی، معاشرتی اور دینی وملکی، معاشی و خاندانی اور تمدنی زندگی سے کٹتے چلے جاتے ہیں اور دشواریاں پیدا کرتے ہیں۔اس کے بھی اثرات انتہائی بدترین ہوتے ہیں خواہ کوئی " شعب الله المختار و نحن ابناء الله و احباء ہ " جیسے دینی وشدید خدائی وولی اللہی نعرہ کے جذبہ کے تحت کرے یا کبر واستغناء کے زعم میں چور ہو کر یا دوسروں سے بے نیاز بلکہ اس کے استحقار، احتقار اور استصغار کے بھرم میں مبتلا ہو کر تو یہ بھی بہت بدترین وخطرناک معاملہ ہے۔اس سے بھی انسان دنیا سے کٹ جاتا ہے۔ اور" انا ربكم الاعلى" جیسے دعویٰ بلند وبالا کرنے لگتا ہے۔

اس کی اصل وجہ خود پسندی اور یہ فکر وفلسفہ ہے کہ میں کسی کا محتاج نہیں۔ انسان جب مالدار ہوجاتا ہے تو شیطان کا شکار ہوجاتا ہے اسے معلوم نہیں رہتا کہ مال ہی سب کچھ نہیں ہے۔انسان جب بلوان اور طاقتور ہوجاتا ہے تو وہ اپنے سے کمزوروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔قدرے علم ودانش سے آراستہ ہوجائے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے جیسا کوئی عالم نہیں ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ فوق کل ذی علم علیم کا قاعدہ مال ودولت اور جاہ وحشمت اور فکر وفن، کنبہ وقبیلہ اور اعوان و انصار اور لاؤ لشکر سب کو شامل ہے۔"وما يعلم جنود ربک الا هو"۔ سے کون انکار کرسکتا ہے پھر اس کے ہوتے ہوئے کسی طرح کا بھرم پال لینا اور اپنے دست و بازو اور حسب و جاہ کے گمان میں اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر بغاوت کی راہ اپنانا اور طاغوت بن جانا کیوں کر روا ہوسکتا ہے۔اور یہ روش اسے دین وایمان، اخلاق وکردار اور شریعت سے دور کر دیتی ہے اور وہ سب میں شان دکھاتا رہ جاتا ہے۔

نیز ذرا غور کرو، انسان ایسی سرکشی کیوں اختیار کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ان کی حقیقتوں کا خالق، علیم وخبیر اور مدبر ہے۔ وہ انسانی نفسیات کو بیان کرتے ہوئے فرماتا اور انسان کو درشاتا اور سمجھاتا ہے کہ تمہاری اس سوچ کی اپج اور فکر کی نارسائی اور غلطی تمہیں کیوں کر چوکنا نہیں کرتی کہ دنیا دکھانے، برتنے کے باوجود تم محتاج محض، دوسروں کے قدم قدم پر دست نگر بلکہ دنیا کے سب سے بڑے مالدار ہو کر بھی ایک ایک دانہ کے لیے دوسروں کے محتاج ہو، اور پھر اس دنیاوی زندگی میں تم جو بھی کچھ ہو لیکن جان لو کہ دنیا دار الجزاء اور مکافات عمل کے لیے اپنی بے بضاعتی اور بے بسی وکسمپرسی کی وجہ سے عاجز وتنگ ہے اور تمہیں پھر اسی پیدا کرنے والے پالنہار رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ پھر این المفر (بھاگ کر کہاں جاؤ گے)؟ قرآن کہتا ہے۔'' كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى. اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ''(العلق:۶-۷)''سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ (یا تونگر) سمجھتا ہے''۔

یہ خناس جیسے ہی انسان کے دل میں سماجاتا ہے کہ اب میں مستغنی ہوں اور کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ الحمد للہ مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے، اے نادان انسان حیوان نہ بن، حیوان بھی مالک کی طرف دیکھتا ہے۔ آسمان کی طرف سر اٹھاتا ہے جب اسے ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ اس سے مانگتا نظر آتا ہے۔ پانی اور چارے کا محتاج ہے۔ اس لیے اس کی طرف بھاگتا ہے۔ تجھ کو چاول کا ایک دانا نصیب نہ ہوا گر زمین نہ ہوا اور اگر مزدور نہ ہو جو اسے مٹی میں ڈالتا ہے، مزدور بھی بنجر وسخت زمین میں ڈالنے میں استغنا نہیں دکھا سکتا ۔ وہ جانتا ہے کہ ہل وکدال کی ضرورت ہے اور ہل وکدال کہاں سے آ گئے اگر یہ لوہار ومستری نہ ہوں۔ میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے بڑے بڑے زمیندار ہل اور کدال کے پھل، اس کے ہتھوں اور ہل کے ڈنڈوں کو لے کر گاؤں کے ادنی لوگوں کے دروازوں پر حاضری دیتے ہیں کہ اگر یہ فٹ نہ کیا جا سکا، اس کی ترکیب وترتیب اور اسے محکم ومستحکم سائنٹفک بنیادوں پر نہ کیا جا سکا تو کھیت بیج ڈالنے کے لائق نہیں ہو سکتا۔ کیا تمہیں کچھ بھی عقل نہ آئی کہ کتنے پاپڑ بیلنے کتنی طرح کے لوگوں کی محنت ومزدوری، علم وہنر اور عقل وخرد اور خون جگر جلانے کے بعد ایک دانہ تیار ہوتا ہے۔ پھر تمہارے گھر، کوٹھی اور انبار خانہ وگودام میں اسے محفوظ رکھنے کے لیے کتنوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر اس کو لائق وفائق اور استعمال کے لیے بچائے رکھنے کے لیے کیا جتن کرنے پڑے ہیں؟۔ بڑی بڑی فیکٹریاں کھاد، بے شمار اوزار کی ایجاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام کائنات برپا کر رکھا ہے کہ صرف زمین کو بارش سے تر کر دینے سے روئیدگی اور بالیدگی نہیں آ جاتی ہے۔ سورج کو زمین کو اور دیگر سیاروں کو بھی ہمہ دم پیہم افلاک میں چکر کاٹنے پڑتے ہیں، تب سورج کی گرمی اور وقت کی سردی پھلوں کو تیار کرتی ہے۔ ورنہ سورج کی تمازت اور طبقہ زمہریر کی برودت یا تو آن واحد میں جلا کر خاکستر کر دے یا عالم کو منجمد کر کے چھوڑ دے۔ ان دونوں کو کتنے ہی سیاروں، فضاؤں، مسافتوں اور فاصلوں میں رکھ کر اسے اس کے لائق حال اور قابل کاشت اور حرارت کو برداشت کر کے بلکہ مناسب ومعقول سردی گرمی، آب وہوا اور فضا کے ذریعہ اسے حیز وجود میں لاتا ہے۔

آہ! خود تمہاری بناوٹ وخلقت اور لحہ لحہ اور عضو عضو کیا اس کی کاریگری اور اس کی نعمتوں کے مرہون منت نہیں ہے؟ ورنہ سورج اپنے اصلی اور حقیقی رنگ میں آ جائے یا کم از کم اپنا تھوڑا درجہ حرارت بڑھا دے تو راکھ کا ڈھیر بھی نظر نہ آئے۔ خاک ودھواں ہو کر اڑ جائے۔ پھر تمہارا کوئی نام ونشان نہ رہ جائے۔'' وفی انفسکم افلا تبصرون''۔

اس لیے نہ دین کے نام پر دنیا سے کٹ کر رہبانیت اختیار کرو، اور نہ دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنوں اور غیروں سے بے نیاز ومستغنی ہو کر فرعون وہامان و قارون ونمرود کی روش اپناؤ۔ بلکہ انبیاء ورسل کی سنت پر گامزن ہو کر دنیا کو آخرت کی کھیتی بناؤ کہ دین ودنیا باہم آمیز کے اکسیر شود۔ اور اسی خالق ومالک کی عبادت سب کے ساتھ مل کر کرو وہی مالک ومدبر ہے۔'' وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ'' (حم السجدہ:۳۷)''اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو، نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو''۔

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

ڈاکٹر رفیع اللہ مسعود تیمی

سماج میں ظلم وسرکشی کی خطرناکیاں اور نتائج

اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور اس زمین کو ہر ایک مخلوق کے رہنے بسنے کے لائق بنایا۔ کوئی اس میں خرابی نہیں، کوئی اس میں فساد نہیں، ہر جگہ صلاح ہی صلاح نظر آتا تھا۔ رب نے زمین کو فساد کے لئے نہیں صلاح کے لئے ہی پیدا کیا۔

جب اس زمین پر بھاگتی دوڑتی، کھاتی پیتی اور سوچ بچار کرنے والی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو علم کے باوجود فرشتوں کے درمیان بطور مشورہ کے یہ پلان رکھا۔ اللہ کی مکمل فرمانبردار مخلوق نے اولاً یہ خدشہ ظاہر فرمایا کہ جس مخلوق کو زمین میں پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ خونریزی اور فساد میں ہی زندگی بسر کرے گی، لیکن یہ ایک پہلو تھا جو سب کے لئے عام نہیں ہوسکتا تھا، اس کے تمام فسادی اور صلاحی پہلوؤں کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيْٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۲/۳۰)

”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا۔ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا: اس میں ایسے آدمی کو تو نائب بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اور ہم تو تیری تسبیح اور حمد وثنا میں لگے رہتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ نے) کہا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو“۔ اس آیت کریمہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو شاید خصوصی طور پر یہ علم دے دیا تھا کہ مخلوق کی طبیعت وسرشت میں فساد فی الارض اور قتل وخوں ریزی ہے۔ دراصل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے حکمت سے بھرے فیصلہ پر اعتراض مقصود نہ تھا، ان کو بس یہ ظاہر کرنا تھا کہ آدم کی طبیعت میں تو یہ نہیں لیکن آدم کی ذریت میں ایسے لوگ آئیں گے جو زمین کے امن وصلاح کو فساد سے بدل دیں گے۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا تھا اور اسے یہ معلوم تھا کہ انبیاء، شہداء، صالحین وابرار اور مصلحین فی الارض پیدا ہوتے رہیں گے۔ علماء واتقیا ہوں گے اور وہ سب اللہ سے خالص محبت کرنے والے لوگ ہوں گے۔ اللہ کو یہ بھی معلوم تھا اسی دھرتی پر کفر وشرک میں غلو کرنے والے اور ظلم ونافرمانی میں حد سے گزر جانے والے لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی معصیت میں زندگی گزار کر نتیجہ بد کا شکار ہوجائیں گے۔

اس مضمون میں ظلم وسرکشی جسے قرآن طغیان سے تعبیر کرتا ہے، کی سماجی خطرناکیاں کیا ہیں اور ایسا کرنے سے سماج میں کیا نتائج رونما ہوتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کا انجام ونتیجہ کیا ہوتا ہے پر روشنی ڈالی گئی۔

سب سے پہلے قرآن کریم کی روشنی میں ظلم وطغیان کو دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے کس طرح بیان کررہا ہے۔

طغیان (سرکشی) سماج کے لئے کینسر سے کم نہیں ہے۔ جس سماج میں سرکشی عروج پر ہو، وہاں امن وشانتی غارت ہوجاتی ہے۔ لوگ اضطراب وبدامنی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اس سے بچاؤ کے لئے لوگ بھی بہت سارے جتن کرتے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لئے حکومتیں ٹاسک فورسیز اور امن قائم کرنے والی کمیٹیوں کا گٹھن کرتی ہیں۔ لوگ بھی سماج سدھار کے لئے کئی مختلف ناموں سے انجمنیں، سوسائٹیاں اور سملین قائم کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو اس کے پیچھے نظام مقرر کیا ہے، اس کو بالائے طاق رکھ کر قیام امن اور رفع فساد وطغیان کے لئے کوشش کی جائے تو اس کا نتیجہ مثبت کے بجائے منفی ہوگا۔ قیام امن اور ظلم وسرکشی کے خاتمہ کے لئے ان لوگوں کی بے ریا کوششیں ثمر بار ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خالص محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے خود کو، اہل وعیال کو، گاؤں سماج کے افراد کو اور پوری زمین کو شرور وفتن، ظلم وفساد اور طغیان وسرکشی سے بچنے اور بچانے کی تاکید کی ہے اپنے مخلص بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ طغیان کی خطرناکیوں اور اس کے برے نتائج کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے اور یہ بتایا جائے کسی زمین میں کبر وغرور، سرکشی وبغاوت بغیر حق کے قطعاً درست نہیں ہے۔ جو بھی طغیان وفساد میں ملوث ہیں وہ نادان اور غافل لوگ ہیں، ان کو اپنی سرکشی کا انجام پتہ نہیں ہے۔ وہ سچی کہانیاں پڑھ کر اور سن کر بھی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْأَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ أَخِّرْنَآ إِلٰٓى أَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراھیم: ۴۲-۴۴)

”اور آپ اللہ کو ظالموں کے کرتوتوں سے غافل نہ سمجھئے۔ وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دے رہا ہے جب آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ اپنے سروں کو اوپر اٹھائے تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے، ان کی پلکیں نہیں جھکیں گی۔ اور ان کے دل ہوا ہورہے

ہوں گے۔ اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جب عذاب ان کے سامنے ہوگا۔ تو ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں کچھ وقتوں کے لئے مہلت دے دے تاکہ تیری دعوت کو قبول کرلیں اور رسولوں کی پیروی کریں (ان سے کہا جائے گا) کیا تم لوگوں نے اس سے پہلے قسم نہیں کھائی تھی کہ تم کبھی بھی ختم نہ ہوگے۔ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں رہ چکے ہو جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور تم پر یہ بات واضح کردی ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا اور ہم نے تمہارے لئے (عبرت ونصیحت کی خاطر) مثالیں بھی بیان کردی تھی۔''

اس آیت میں سب سے بڑی بات یہ کہی گئی کہ ظلم اور حد سے تجاوز کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ جو بھی ایسا کرتا ہے، اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور ایسے برے لوگوں کو کافی مہلت ملتی ہے کہ یا تو تائب ہوجائے یا ظلم وسرکشی میں اور آگے بڑھتا جائے، اس کا معاملہ آخرت کے لئے اللہ نے رکھ چھوڑا ہے۔ اس میں اس کا مہلت ملنا سماج میں ابتری اور بدامنی پھیلنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اس کے برے نتائج کو بھی بیان کردیا گیا ہے کہ ظالموں اور طاغین وفساد برپا کرنے والوں کی بیان کردہ مثالوں سے نصیحت نہیں پکڑی اور عذاب الٰہی کو گلے لگانا ہی بہتر جانا۔ العیاذ باللہ

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

هٰـذَا وَاِنَّ لِـلـطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ هٰذَا فَـلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ وَّاٰخَـرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًاۢ بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ (ص:۵۵۔۵۹)

''یہ (تو اہل تقویٰ کا بدلہ تھا) اور سرکشوں کا ٹھکانہ بڑا برا ہوگا، یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے۔ پس وہ برا بچھونا ہوگا۔ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ پس وہ لوگ اس عذاب کو چکھتے رہیں اور اسی قسم کے دوسرے طرح طرح کے عذاب ہیں۔ یہ (سرداران کفر کا) ایک گروہ ہے جو تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہورہا ہے۔ (سرداران کہیں گے) ان کے لئے کوئی خوش آمدید نہیں ہے۔ بے شک یہ لوگ عذاب جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ دنیا میں اپنے ظلم وطغیان کے بل پر وہ اپنے آپ کو سب سے ارفع سمجھتے رہے ہیں، لیکن وہ دنیا میں ذلیل لوگ ہیں اور آخرت میں بغیر توبہ وایمان کے مرگئے تو ان کا ٹھکانہ ہی عذاب نار ہے۔

ظلم وسرکشی بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے متصف انسان کو کبھی پسند نہیں کرتا ہے۔ یہ انسانوں کی بڑی تعداد کو ہلاک کردینے کا سبب ہے۔ بہت سارے لوگ بے گناہ ظلم وسرکشی کی وجہ سے دم توڑ دیتے ہیں اور بہت سارے بے وقت موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ دنیا میں جو لوگ ظالم اور سرکش ہیں، وہ دنیا میں جس طرح سے بھی ہیں، رب کے پاس بڑے رسوا ہونے والے لوگ ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ بغاوت وسرکشی کو بڑے مبغوض نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اپنے بندوں کو عمومی طور پر انبیاء اور رسولوں کو خصوصی طور پر اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (ہود:۱۱۲)

''چنانچہ آپ کو جیسا حکم دیا گیا ہے، راہ حق پر قائم رہئیے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا ہے اور تم لوگ اللہ سے سرکشی نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔''

ثابت قدمی دشمنان دین پر غلبہ وقوت پانے کا ہتھیار ہے اور سرکشی سے باز رہنا سماج کو ہلاکت سے بچائے رکھنا ہے۔ حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے ہوشیار رہنے کا حکم دیا اور وہ اس کے بعد مسکراتے ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو سرکش دیکھنا گوارہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن یہ چیز اس کی حکمت کے ماتحت ہے کہ بندوں کو کامل اختیار سونپ دی کہ وہ ہدایت اور خیریت کی راہ پر ٹکا رہے یا خود گمراہ ہوکر سرکشی میں آگے بڑھ جائے۔ ہدایت کی ڈگر پر لے جانے والی تعلیمات کا مذاق اڑائے۔ تو یہ اس کا قصور ہے، اللہ کا نہیں ہے جب ایسی اوچھی حرکتوں کا شکار ہوجاتا ہے تو اللہ بھی ان کا مذاق اڑادیتا ہے اور سرکشی میں ڈھیل دے دیتا ہے۔ وہ اسی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰـهُ يَسْتَهْـزِئُ بِهِـمْ وَيَـمُـدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّـذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (البقرہ:۱۵)

''اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں بڑھنے دے رہا ہے، جس میں وہ بھٹک رہے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خرید لی، لیکن ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی اور وہ لوگ ہدایت پانے والے نہیں تھے۔''

یہ تو منافقین کی حالت ہے جو انہوں نے خود بنا رکھی ہے۔ اور ان کو اپنے کرتوت کا صلہ یہ مل رہا ہے۔ لیکن جو لوگ بھی ایسے اوصاف سے متصف ہوجاتے ہیں، وہ ہر ایک معاملہ میں حدوں سے تجاوز کرجاتے ہیں اور سرکشی یا ظلم مقررہ حد کو پار کرجانے ہی کا نام ہے۔ ان کے اوپر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا لَـكُـمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَـرَّمَ عَـلَيْـكُـمْ اِلَّا مَـا اضْـطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ (الانعام:۱۱۹)

"تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جن جانوروں پر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ تم نہیں کھاؤ گے اس نے ان تمام چیزوں کو تمہارے لئے تفصیل سے بیان کردی ہے جنہیں تم پر حرام کردی ہے، سوائے اس کے جسے کھانے پر تم بے حد مجبور ہو جاؤ اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے لوگوں کو اپنی خواہشات کے مطابق گمراہ کرتے ہیں بے شک آپ کا رب حد سے تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں اور گمراہ وسرکش لوگوں کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے، جولوگ حد سے متجاوز ہیں ان کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے کہ قصوران کا ہی ہوتا ہے۔ جو بھی جس طرح دنیا میں چلنا چاہتا ہے، اس کی خواہش کے مطابق وہی راہ آسان بنادی جاتی ہے۔ چنانچہ سرکشی کی راہ گمراہی اور تباہی کی راہ ہے اس لئے حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

سرکشی کا ایک طریق تو یہ ہے انسان فکری گمراہی کا شکار ہوجائے اور اس کے گمراہ کن افکار وعقائد سماج کو اپنے لپیٹ میں لے لے۔ یہود کی سرکشیوں کا بہت سارا حصہ اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سرکشی اور خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ایک فکری گمراہی کو بایں طور بیان کرتا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (المائدہ:۶۴)

"اور یہود نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ انہی کے ہاتھ (ان کی گردن کے ساتھ) باندھ دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت بھیج دی گئی ہے۔ بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو چیز نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا دیتی ہے اور ہم نے روز قیامت تک کے لئے ان کے آپس میں دشمنی اور بغض پیدا کردی ہے جب جب وہ جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں، اللہ اسے بجھا دیتا ہے۔ ان کا کام زمین میں فساد پھیلانا ہی ہے۔ اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

قرآنی میں بقول ابن عباسؓ یہ بڑی شدت کی پھٹکار ہے اور کفر وسرکشی نے اس قوم کو تباہ کردیا اور یہ فکری سرکشی تھی جس پر وہ لعنت زدہ ہوئے۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کیجئے کہ سرکشی صرف ماردھاڑ اور ارتکاب معاصی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ فکری سوچ اور غلط عقیدہ بھی طغیان اور کفر تک لے جاسکتا ہے۔ قرآن اس کی بہت ساری مثالیں بیان کرتا ہے کہ بنی نوع انسان ہی میں بعض متکبر، مغرور اور سرکش ہیں جن کا خدائی دعوی تھا اور آئندہ بھی کفر وجہالت کی بنا پر ممکن ہے۔ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (النازعات: ۲۴) "میں تمہارا سب سے اعلیٰ وبلند رب ہوں"، بعض تو اللہ کے مدمقابل کھڑے ہوگئے اور یہ دعوی کردیا انا احی و أمیت (البقرہ:) "میں ہی جلاتا اور مارتا ہوں"۔ بعض نے یہاں تک کہہ دیا۔ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص:۵) "کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک معبود بنادیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" بعض نے اپنی ناشکری کا برملا اظہار بایں طور کیا۔ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي (القصص:۷۸) "میں نے اسے اپنے پاس اپنے علم کی بنیاد پر حاصل کیا ہے۔" بعض نے إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدۃ:۷۳) کہ "اللہ تین کا تیسرا ہے" کہہ کر سرکشی کی اور حد سے تجاوز کیا اور گمراہی اپنے نام کرلی۔

ذرا ان آیات پر غور کریں کہ زبان سے ادا کرنے میں کتنی معمولی بات لگتی ہیں، لیکن فکر وعقیدہ میں کجی وگمراہی کے سبب اللہ کے نزدیک بہت اہم ہیں۔ چند نمونے قرآن میں ہیں تاکہ ایک دانا شخص اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ پر غور کرے کہ کہیں حق کے خلاف اور اللہ یا اس کے رسول پر زیادتی تو نہیں ہو رہی ہے۔ جیسے ان بولوں کی وجہ سے ضلالت وشقاوت ان کا مقدر بن گئی ویسے ہی ہمارا حال تو نہیں ہونے والا ہے۔ طغیان وکفر کی یہ تمام شکلیں سماج میں موجود ہیں۔

سماج میں طغیان وکفر کی اور کئی شکلیں پائی جارہی ہیں۔ کوئی بذات خود اچھا ہے لیکن دین کو زندگی سے الگ کرکے دیکھتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جو شریعت کو ہی اپنے لئے اور آزاد خواتین کے لئے بیکڑ یا یہ تصور کئے بیٹھے ہیں اس لئے ان کے لئے عافیت شریعت سے علیحدگی اور بیزاری میں ہے۔ طغیان اور سرکشی بعض کے اقوال میں ہے، بعض کے افعال میں ہے۔ بعض فکری انحرافات کا شکار ہیں اور بعض اپنے افکار وتصورات میں کھوئے مگن ہیں، خواہ ان کے تصورات میں جس قدر بھی ٹیڑھا پن کیوں نہ ہو۔ یہ پوری امت مسلمہ کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی مسئلہ کی بنیاد پر تمام تر اچھائیوں کے باوجود اپنی ٹولیاں الگ بنالیں، اپنی شناخت سماج میں الگ بنالی۔ وہ فہم کی بنا پر تھا جس کو یہ قوم سمجھ نہ سکی اور مسائل کی بنیاد پر اپنا ہر چیز الگ کرلیا آج جماعتوں اور امتوں کا یہی حال ہے، حالانکہ صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین مسائل کے فہم میں اختلاف موجود ہے، لیکن انھوں نے مسائل کے اختلاف کی بنیاد پر اپنی الگ الگ ٹائٹلوں کے ساتھ اپنا اپنا الگ حلقہ نہیں بنایا۔ اس لئے یہ طغیان علماء میں بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے طغیان کہیں نہ کہیں جماعتوں اور امتوں میں بھی موجود ہے۔ قوم ثمود کی ہلاکت وتباہی پر غور کرنا چاہیے کہ آخر ان کی ہلاکت کا سبب کیا تھا۔ قرآن میں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا (الشمس:۹۱/۱۱) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب

(صالح علیہ السلام کو یا عذاب کو) جھٹلا دیا۔قوم ثمود کا صالح کی تکذیب یا عذاب کی تکذیب سخت ہونے کی وجہ سے اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے طغوی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آج اہل علم کو خاص طور سے اپنے افکار ونظریات کو اس قرآنی کسوٹی پر اولا پرکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ ان کی زد میں آنے والے لوگ فکری ضلالتوں کے شکار نہ ہوں اور جماعت وامت کے لئے مصیبت نہ بنیں کہ ان کی دعوت میں طغیان کی ایسی آمیزش نہ ہو کہ سختیاں سر چڑھ کر بول رہی ہوں، ان کی دعوت کا نتیجہ اچھا نظر نہ آئے تو خود وہ جماعت سے الگ ہوکر فکر وفہم کے اعتبار سے جماعت بنا لے۔ یہ بھی ہلاک کردینے والا نسخہ ہے جس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

سرکشی انسانی سماج کا خطرناک مرض ہے۔اپنی نشانیوں اور انحرافات کی وجہ سے بہت سخت بیماری ہے۔ یہ طغیان وسرکشی جس طرح دینی اعتبار سے، فہم وفکر کے اعتبار سے، علم وعمل کے اعتبار سے خطرناک ہے، اسی طرح ملک وبادشاہی، حکومت وسیادت اور قیادت کے اعتبار سے خطرناک ہے۔ جو بھی کسی زمین کے ٹکڑے کا مالک بن جائے، کسی ملک کا حاکم بن جائے، عدالت علیا کا حاکم وجج بنادیا جائے تو اس میں حد سے بڑھ جانے کی صفت پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ خیال کرنے لگتا ہے۔ اس میں کبر ورعونت آجاتی ہے۔ظلم وسرکشی کو معمولی خیال کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سارے ایسے واقعات واخبار قرآن میں بیان کیا ہے جنہوں نے اپنی ملوکیت وحاکمیت میں سرکشی کی۔ احکام الٰہی سے منحرف ہوئے۔ رسولوں کی تکذیب ونافرمانی کی۔ ایسے لوگوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ان کے انجام کو بھی بیان فرمایا۔ اللہ نے یہ محض تسلی کے لئے نہیں بلکہ ان واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لئے اور ایسے اوصاف رذیلہ اختیار نہ کرنے کے لئے بیان کیا۔

طغیان وظلم یہ داستان ماضی نہیں ہے اور نہ گزشتہ قوموں کا حصہ ہے۔ بلکہ یہ اب بھی باقی ہے، جاری ہے، اس کے معالم وآثار ظاہر ہیں اور آئندہ بھی یہ جاری رہنے والی سنت ہے۔ بس انسانوں کو ان معالم وآثار سے واقف رہنا، طغاۃ اور سرکشوں کے اوصاف کو جاننا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کفار ومشرکین کے ایک طاغیانہ وصف کو بایں الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ (الذاریات:۵۳-۵۴)

''کیا کفار تکذیب انبیاء کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے ہیں بلکہ وہ سرکش تھے ہی۔ چنانچہ آپ ان سے منہ پھیر لیجئے۔ اب آپ قابل ملامت نہیں ہیں۔''

اس آیت میں تمام اہل کفر کی حالت پر تعجب کا اظہار ہے کہ سب کفر میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں، تبھی تو انہوں نے اتنی گھٹیا بات رسول کے بارے میں کی ہے۔ ایسا بھی نہ تھا کہ کفار پڑھے لکھے نہ تھے، سب عامی تھے، بلکہ پڑھے لکھوں کا حال بھی سرکشی میں حد سے تجاوز کرجانا تھا اور اس معاملہ میں سب برابر تھے۔ خباثت نفسی میں سب ایک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سبھوں کی زبان سے ایسی قبیح ترین باتیں نکلتی ہیں۔

قرآن کریم میں بعض ایسی نشانیاں اور اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن سے واقفیت ہونی چاہیے۔

طغیان کی پہلی صفت زمین میں تکبر وغرور اور اپنے کو جاہ وحشم، بادشاہت، قیادت وسیادت اور مال واولاد کی وجہ سے برتر واعلیٰ خیال کرنا یہ ایسی صفت ہے جو انسان کو ہلاک کردیتی ہے۔ یہ صفت فرعون میں بھی تھی۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا:
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ (القصص:۸۱/۴) یعنی بلاشبہ فرعون زمین میں بہت متکبر ہو چلا تھا۔ نیز فرمایا:

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (القصص:۸۱/ ۳۹) ''اور وہ اور اس کے فوجی زمین میں ناحق کبر کرتے تھے۔''

یہ وہ صفات ہیں جو طغیان پر آمادہ کرتی ہیں۔ فرعون عام لوگوں کو تو خاطر میں نہیں لاتا تھا لیکن اس سے بڑھ کر فخر ومباہات کا یہ عالم تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو ہی معیوب اور ذلیل وحقیر خیال کرتا تھا۔

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ (الزخرف:۵۲)

''بلکہ میں اس سے بہتر ہوں جو ایک ذلیل آدمی ہے اور قوت بیان سے بھی تقریبا محروم ہے۔''

یہ تو اپنا منہ میاں مٹھو والی بات ہے۔ سماج میں جب نابرابری کی بات آجائے۔ آدمی اپنے سامنے سب کو حقیر خیال کر بیٹھے تو حقوق دیگراں تلف ہونے لگتے ہیں۔ دوسروں کی طاقت وقوت بھی کمزور ہونے لگتی ہے۔ اور یہ عین فساد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے:

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ (الفجر:۸۹/۱۰-۱۲)

''اور میخوں والے فرعون کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جو ملکوں میں سرکش ہوگئے تھے۔ اور ان میں بہت فساد پھیلا رکھا تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو بڑا ہی قوی بنایا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ہنر عطا کی اور ان کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام کو بحیثیت نبی بنا کر بھیجا لیکن ان کی طغیان وسرکشی نے توحید وایمان کا انکاری بنادیا۔ انجام کار وہ قوم اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کردی گئی۔

طغیان وسرکشی کی بہت ساری کھلی اور واضح نشانیاں فرعون میں پائی جاتی ہیں۔

سرکشی کی ایک واضح نشانی شقاوت قلبی ہے۔ انسان اپنی سیادت وقیادت اورملوکیت وبادشاہت کولے کراس قدر سخت ہوجاتا ہے کہ خوں ریزی آسان لگنے لگتی ہے۔فرعون نے خوں ریزی کی عام اجازت دے دی اس کو اپنے حکم کے نفاذ کی فکر ہوتی تھی۔اس نے ہربچہ کو جب مملکت کے چھن جانے کا خدشہ لاحق ہوا تو اسے قتل کا آرڈر دے دیا۔خون بہانا، دھمکانا اوراپنی رعایا کو ڈانٹنا عام معمول بن گیا۔مالوں کا ہڑپ جانا، خیرات کا مستحق عام فقراء ومساکین کو نہ جاننا، تمام خزانے کا استعمال محض اپنے لئے کرنا، کفروعناد کی بنیاد پر درباریوں کو ڈرا کر رکھنا۔موسی کے پیروکاروں کو متنوع عذاب میں مبتلا کرنا، ان کو قتل کی دھمکی دینا، متبعین موسی کے اعلان ایمان اورظاہراً شعائر دین کی انجام دہی پر فرعونی سرکشی عروج پر تھی۔حالانکہ فرعون کو بھی حق کی معرفت تھی لیکن وہ اس قدر بادشاہت کے لئے اندھا ہوگیا تھا کہ صرف اسی کی بات درست لگتی تھی اور وہ اسے فخر یہ بیان بھی کرتا تھا اوراسے نافذ کرنے کی ممکنہ تدبیریں اختیار کرتا تھا۔آخرکار موسی علیہ السلام کو اس کی کثرت طغیان کے سبب اللہ تعالیٰ سے یہ شکوہ کرنا پڑا۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:۱۰/۸۸)

"اورموسی نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تونے فرعون اوراس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی کے اسباب زینت اور مال ودولت اس لئے عطا کیا ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکادیں۔اے ہمارے رب! توان کے مال ودولت کو نیست ونابود کردے اوران کے دلوں کو سخت بنادے تاکہ ایمان نہ لاسکیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔"

مال ودولت اوراسباب زینت کا غلط استعمال بھی گمراہی کا پیش خیمہ ہے خود بھی آدمی گمراہ ہوجاتا ہے اوردوسروں کو اس مال ودولت کی لالچ میں گمراہ کردیتا ہے۔ظالم فرعونیوں کا یہی حال ہوا کہ مال ودولت کے غرور نے ان کو دین الٰہی سے برگشتہ بنادیا۔

انسان جب خود کو تمام سے اچھا خیال کرنے لگتا ہے تو وہ شیطان کے نرغے میں مکمل طور پر پھنس جاتا ہے۔ شیطان ہربرائی کو سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔وہ اپنے کو ہرایک کے مدمقابل کھڑا کردیتا ہے، یہ فرعون کی سیاست کا حصہ تھا۔اس نے دعوت موسی کو ٹھکرایا اور جو بھی موسی پر ایمان لے آئے ان کو زدوکوب کیا۔ جادوگروں کو ہرممکن عذاب دیا۔

فرعون نے مال کے بدلے حامیوں کو خریدا، اپنے عہدہ ومناصب کا استعمال کرلوگوں کو حق کے خلاف ورغلایا۔اکثر وہ حق کے خلاف لڑتے جھگڑتے نظر آیا۔حق کے مقابلہ میں اس کا جدال، اس کی راہیں اوراس کے احتجاجی دلائل پھسپھسے تھے، جہالت پر مبنی تھے، بیوقوفی کی علامت تھے۔وہ حق کو بڑھتے دیکھ بوکھلاہٹ کا شکار ہوگیا۔اس کی کوئی حکمت عملی اور تدبیر حق کے سامنے کام نہ آسکی۔آخرکار کبھی قید کردینے، بیڑیوں میں جکڑ دینے کی دھمکی دی۔مدمقابل موسیٰ کو بھی یہ دھمکی دے ڈالی۔

قرآن نے کہا:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (الشعراء:۲۶/۲۹)

"فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کوئی اورمعبود بنایا تو تمہیں جیل میں ڈال دوں گا۔"

فرعون نے موسی سے ربوبیت کے بارے میں مجادلہ کیا اور تمام تر دلائل اپنے کورب تسلیم کرانے کے لئے دی۔ جب اس کے سارے اعمال باطل قرار پائے تو درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے بوکھلا اٹھا اور جیل میں ڈالنے کی دھمکی دے ڈالی طغیان اوربغی یہ دو ایسی صفتیں ہیں جو کسی کے اندر پیدا ہوجائیں تو صرف اس کی نجی لائف کو ہی نہیں بلکہ پورے سماج کو ہلاکت وتباہی کے دہانے پر کھڑا کردیتی ہیں۔ ایسے لوگ ہردن ایک نیا فتنہ برپا کرتے ہیں اور سماج میں شروفساد کے ہردروازے کو کھول دیتے ہیں۔اسی لئے قرآن میں ایسی مثالیں اللہ نے بیان کرکے قلب سلیم کے ساتھ پڑھنے کی دعوت دی ہے۔

فرعون اوراس جیسے بڑے بڑے سرکش وباغی کی دین مخالف سرگرمیاں خاک میں مل گئیں۔نہ دنیا میں عزت ملی اورنہ آخرت میں ان کو عزت ملے گی۔ان کے لئے رسواکن عذاب ہے۔

فرعون کا انجام سب سرکشوں اورظالموں کے لئے عبرتناک ہے۔یہ ہمارے فہم میں آنا چاہیے کہ ایک سرکش جو اپنے ظلم وسرکشی کی بنیاد پر اندھا ہوچکا ہے، اس کی آنکھوں تو سوتی بھی ہیں، لیکن اللہ کی آنکھیں نہیں سوتی ہیں۔وہ ایسے لوگوں کے دلوں میں جنم لینے والے شروفساد دیکھتا اورجانتا ہے۔

فرعون جب پورے طور پر زور آزمائی کرچکا تو رب نے وقت مہلت ختم کردی اوران کو طوفان عظیم سے دوچار کیا جو صرف رب کو ہی معلوم تھا سبھوں کو ڈبو دیا اوراس کی لاش کو بعد کے آنے والے ظالموں اورسرکشوں کے لئے عبرت کا سامان بنایا۔اللہ کا فرمان ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ

مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (یونس:۹۰/۹۲)

’’اور ہم نے بنواسرائیل کوسمندر پار کرادیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی میں آکر اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہا: میں ایمان لایا کہ کوئی معبود حقیقی نہیں سوائے اس کے جس پر بنواسرائیل ایمان لائے اوراب میں فرمابرداروں میں سے ہوں۔ کیا اب ایمان لائے ہو۔اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتے رہے اور فساد برپا کرنے والوں میں تھے۔تو ہم آج تیرے جسم کو پانی سے نکال لیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لئے نشان عبرت بن جائے اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہوتے ہیں۔‘‘

فرعون کوآخری وقت میں ایمان کوسوجھی، جب اس کی سرکشی اور فساد کی انتہا ہوچکی تھی، جہاں کہیں بھی قرآن نے فرعون سے مخاطب ہونے کی بات کہی ہے، وہاں انہ طغی (طہٰ:۲۰/۲۴،۴۳) سے تعبیر کیا ہے۔دراصل فرعون کا غرق آب ہونا، اس کے جسم کے ساحل سمندر پرآجانا اور آنے والوں کے لئے نشان عبرت بن جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عاجز اور حقیر تھا۔اس کے ہاتھ میں اپنی موت اور زندگی نہ تھی تو بھلا دوسروں کی موت اور زندگی کا فیصلہ کیسے کرسکتا تھا۔اللہ نے اس کی بے جان لاش کو ساحل سمندر پر اس لئے لایا کہ دنیا دیکھ لے کہ جو اس قدر سرکش تھا اور خدائی کا دعویدار تھا، وہ اللہ اور معبود نہ تھا۔وہ تو ایک حقیر وبے بس نامراد بندہ تھا۔اس سے دوسرے جانکار اور جاہل سرکشوں کوعبرت پکڑنی چاہیے۔اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنا چاہیے۔

انسان جب اس پرغور کرے تو وہ کیوں کر اپنے حسن پر، اپنے عہدہ ومنصب پر، اسے اپنے جاہ وجلال پر، اپنے علم ومعرفت پر، اپنی مالداری پر، اپنے آل واولاد پر، اپنے مکان وتجارت پرتکبر وگھمنڈ کرے گا۔اپنے عقل وشعور اور تیزفہمی پر اترائے گا۔ اپنی تندرستی پر دوسرے بیماروں کوحقیر جانے گا۔ ہرایک کو اپنے سے نیچا دکھانے کے لئے ہرتدبیر کرے گا۔کھلی یا پوشیدہ سرکشی اور بغاوت سے باز نہ آئے گا۔

بڑے سرکشوں کا انجام بھی بڑا ہوا ہے جیسا کہ قرآن نے بہت سارے مقامات میں بیان کیا ہے اور میں نے ابھی اجمالا ذکر کیا۔ جو بھی سرکش ہوجائے اور سرکشی پر اتر جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا تعلق ہدایت سے کمزور ہوگیا اور اب بھی اس کے حق میں گمراہی مقدر کردیتا ہے الا یہ کہ وہ تائب ہوجائے۔

(سورہ الاعراف:۷/۱۸۶) میں ہے:

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

’’اللہ جسے گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔‘‘

دوسری جگہ فرمایا: فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (یونس:۱۰/۱۱)

’’چنانچہ جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔‘‘

سرکشوں کے خطرناک انجام کوسورہ الحاقہ:۶۹/۳-۱۰ میں بیان کیا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً

’’ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والے دن کو جھٹلایا۔اس لئے قوم ثمود کے لوگ چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کردیئے گئے۔ اور قوم عاد کے لوگ ایک تیز وتند آندھی کے ذریعہ ہلاک کردیئے گئے۔ اللہ نے ان پرلگاتار سات رات اور آٹھ دن کے لئے مسلط کردیا تھا۔آپ انہیں اس آندھی میں اس طرح پچھڑے دیکھتے کہ جیسے وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔کیا آپ ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہیں۔اور فرعون اور ان قوموں نے جو اس سے پہلے گزر چکی تھیں اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں۔ان سب نے خطائیں کیں۔اب سب نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کی انتہائی شدید گرفت کی۔‘‘

کفار مکہ کی سرکشی بھی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ وہ بھی ہرایک وحی اور واقعہ نبوی کی تکذیب میں لگے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی میں اضافہ کردیا فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل:۶۰)

’’اور جب ہم نے آپ سے کہا: بے شک آپ کا رب تمام لوگوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور ہم نے جو مشاہدات (شب معراج میں) آپ کو کرائے، انہیں ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنادیا تھا اور (زقوم کے) درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت بھیجی گئی ہے اور ہم کفار مکہ کو ڈراتے ہیں، لیکن یہ چیز ان کی سرکشی کو بہت زیادہ بڑھادیتی ہے۔‘‘

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہؐ نے کفار قریش کو ڈرانے کے لئے

شجرزقوم کا ذکر کیا تو ابوجہل نے کہا: اے اہل قریش! وہ شجرہ زقوم جس سے تمہیں محمد ڈراتا ہے، جانتے ہو وہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ یثرب کی عجوہ کھجور ہے جسے مکھن کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ہمیں وہ مل جائے تو اسے خوب کھائیں۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (طبری، ابن ابی حاتم)

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ یہ عجوہ کھجور نہیں، بہت خاردار کڑوا درخت ہے اور اس کے کھانے والے گنہگار اور ملعون ہوں گے۔

یہ برے لوگوں کا کھانا ہوگا۔ اللہ نے ان آیتوں میں بتایا کہ ہم کفار قریش کو ان باتوں اور انہی جیسی دوسری باتوں کے ذریعہ ڈرانا چاہتے ہیں تاکہ ایمان لائیں، لیکن نتیجہ الٹا ہی ہوتا ہے اور ان کی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے۔

سرکشی کے کچھ ایسے بھی اسباب ہیں جن کو انسان اپنا کر اپنی زندگی مشکلوں میں ڈال لیتا ہے۔

سب سے پہلا سبب مال کو یکجا کرنے کی دوڑ دھوپ اور مال کا حریص ہونا کہ حلال وحرام کی تمیز مٹ جائے۔ جب آدمی میں یہ چیز آجائے تو سرکشی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: کلا ان الانسان..استغنی (العلق:۶-۷) ہرگز نہیں، بے شک آدمی سرکش بن جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ وہ دولت مند ہوگیا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی جائے۔ اس سے خوش ہوا جائے، آخرت سے غفلت برتی جائے۔ یہ بھی سرکشی کی ایک نوعیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات:۳۷-۳۹)

''جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی، تو بے شک جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا۔''

تیسرا سبب احکام الٰہی اور قوانین الٰہی سے نفرت وغفلت بھی سرکشی میں اضافے کا باعث ہے جیسا کہ کئی مقامات میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے۔

جب آدمی اس درجہ پر چلا جائے کہ اسے معصیت اور برائی کرنے میں احساس نہ ہوسکے، دل میں خوف الٰہی نہ جاگ سکے، اللہ کی آیات سے عبرت ونصیحت کے لئے حرکت نہ ہوسکے تو ایسا انسان لاشعوری زندگی گزارنے کا عادی بن جاتا ہے اور وہ دن بہ دن سرکش ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ سرکشی ایک قبیح ترین صفت ہے، سماج کو تہہ وبالا کرنے والی بیماری ہے، سرکشوں کا دنیاوی اور اخروی انجام بھیانک ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ہی جہنم ہے تو ہر ایک کو اس بیماری کا علاج ڈھونڈھنا چاہیے۔ اس سے ہوش کا ناخن لینا چاہیے اور ظلم وسرکشی سے پناہ الٰہی طلب کرنی چاہیے۔

☆☆☆

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔ مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲) وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا، امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ ''جریدہ ترجمان'' (اُردو)، ماہنامہ ''اصلاح سماج'' (ہندی)، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ'' (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایاجات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔ درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔ کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایاجات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

ظالموں کا انجام

ابومعاویہ شارب بن شاکر السلفی، مدھوبنی۔ بہار

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم، امابعد:

ظلم ایک ایسا گناہ ہے جو رب العزت کو کسی بھی حال میں پسند نہیں! رب کو یہ بات قطعا پسند نہیں کہ کوئی انسان کسی انسان کے اوپر ظلم کرے بلکہ رب العزت نے تو خود اپنے آپ پر بھی یہ لازم کرلیا ہے کہ دنیا میں کوئی انسان کتنا بڑا گناہگار وبدکار ہی کیوں نہ ہو، بڑا سے بڑا کافر وملحد وزندیق ہی کیوں نہ ہو وہ کسی کے اوپر ظلم نہیں کرے گا جیسا کہ فرمان باری تعالی " وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ" اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔(فصلت:46) اور حدیث قدسی کے اندر بھی رب العزت نے اپنے محبوب کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ " يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا " اے میرے بندو! میں نے خود اپنے آپ پر بھی ظلم کو حرام کر رکھا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے لہذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔(مسلم:2577) ظلم وزیادتی ایک ایسی چیز ہے جو رب بھی اپنے بندوں پر کرنا پسند نہیں کرتا ہے تو ذرا سوچئے جو لوگ بھی لوگوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں وہ اللہ کی پکڑ اور اللہ کے عذاب وسزا سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ تاریخ کے اوراق اور قرآن کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ آج تک کوئی بھی ظالم اللہ کی پکڑ اور اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکا، کیسے کیسے جابر وظالم حکمراں پیدا ہوئے، کیسی کیسی طاقتور قومیں پیدا کی گئیں تھی جن میں سے ایک قوم کے بارے میں رب نے کہا کہ " الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ "، قوم عاد کی مانند کوئی بھی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔(الفجر:8) ایسی ایسی طاقتور قوموں اور فرعون جیسے طاقتور بادشاہوں نے بھی جب ظلم وزیادتی کا بازار گرم کیا تو " فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ " بالآخر تمہارے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا (الفجر:13) اور رب العزت نے اپنے عذاب کا ایسا کوڑا برسایا کہ ہر طرح کی شان وشوکت اور طاقت وقوت رکھنے کے باوجود بھی اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے، آج جب ظالموں کو ڈھیل ملی ہوئی ہے تو وہ اس کی اپنی ہوشیاری سمجھ رہے ہیں اور عقلمندی کا نام دے رہے ہیں مگر انہیں اس بات کا قطعا اندازہ نہیں ہے کہ جب ظالموں کی پکڑ ہوتی ہے تو پھر انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں دی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے اور آپ کے آقا محبوب خدا ﷺ نے فرمایا کہ " إِنَّ اللَّهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ " بے شک اللہ تعالی ظالموں کو دنیا میں چند روز مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو اس کو چھوڑتا نہیں ہے، یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ " وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ " تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے کہ جب وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے تو بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہوتی ہے۔(هود:102، بخاری:4686، مسلم:2583)

برادران اسلام! آیئے سب سے پہلے ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ظلم کرنے والے لوگوں کا انجام کیا اور کیسا ہوتا ہے؟

(1) ظالموں کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے:

ظالم ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس سے رب العزت نفرت کرتا ہے اور کسی بھی صورت میں ظالموں کو رب العالمین پسند نہیں کرتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے " وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ" اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔(آل عمران:57) ایک دوسری جگہ اللہ رب العزت نے فرمایا " إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ " بے شک اللہ تعالی ظالموں سے محبت نہیں کرتا ہے۔(الشوری:40)

(2) ظالموں کی ہلاکت یقینی ہے:

ظلم کرنے والے اپنے شان وشوکت اور طاقت کے نشے میں چور ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی پکڑنے والا نہیں، ہمیں کوئی سزا دینے والا نہیں، ہم سے کوئی انتقام لینے والا نہیں مگر وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں ایک ذات ایسی بھی ہے جو ظالموں کو کبھی معاف نہیں کرتی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے " وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ" اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر کردیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ، تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کردیں گے۔(ابراہیم:13)

(3) ظالموں کو دنیا میں ضرور سزا ملتی ہے:

ظلم ایک ایسا جرم ہے جس کو انجام دینے والا دنیا میں ہی ظلم کے برے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے، کتنے ہی ایسے ظالم ہیں جن کو رب ذوالجلال والاکرام نے لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا اور کیسی کیسی بستیوں اور سوپر پاور طاقتوں کو لوگوں پر ظلم وستم کرنے کی وجہ سے ہی رب ذوالجلال والاکرام نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر نشان عبرت بنا دیا جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:" فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا

وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ " بہت سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے نیست ونابود اور تہ وبالا کر دیا اس لئے کہ وہ ظالم تھے پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنوئیں بیکار پڑے ہیں اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں۔(الحج:45) میرے دوستو! ظالموں کو دنیا میں ہی ضرور بالضرور سزادی جاتی ہے اس بات کی خبر دیتے ہوئے سرورکونین ﷺ نے فرمایا "مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللَّهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ" یعنی کہ اللہ تعالی دنیا میں کسی گناہ کی سزا اتنی جلدی نہیں دیتا جتنی جلدی ظلم اور قطع رحمی کی سزا دیتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایسے آدمی کے لئے آخرت کا عذاب بھی باقی رکھتا ہے۔(ابن ماجہ:4211، ترمذی:2511، ابوداؤد:4902 وصححہ الالبانیؒ) بلکہ بعض روایتوں کے اندر اس بات کا بھی ذکر ہے کہ ظالموں کو موت سے پہلے پہلے ان کے ظلم وستم کی سزا ضرور بالضرور دی جاتی ہے جیسا کہ فرمان مصطفی ﷺ ہے " كُلُّ ذُنُوبٍ يُؤَخِّرُ اللَّهُ مِنْهَا مَا شَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا الْبَغْيَ وَعُقُوقَ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَطِيعَةَ الرَّحِمِ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهَا فِي الدُّنْيَا قَبْلَ الْمَوْتِ " کہ تمام گناہوں میں سے اللہ تعالی جس کی چاہے سزا کو قیامت کے دن تک کے لئے مؤخر کردے سوائے ظلم اور والدین کی نافرمانی یا پھر قطع رحمی کے، ان گناہوں کے مرتکب کو اللہ تعالی دنیا میں ہی بہت جلد سزا دیتا ہے۔(صحیح الادب المفرد للالبانیؒ:591)

(4) ظالم کے حق میں مظلوم کی بددعا ضرور بالضرور قبول کی جاتی ہے:

میرے دوستو! ظالم جہاں ایک طرف دنیا میں ہی اللہ کے عذاب سے دوچار ہوتا ہے وہیں پر دوسری طرف ظالموں کو مظلوموں کی بددعا بھی لگ جاتی ہے اور مظلوم کی فریاد اس تیر کی طرح ہوتی ہے جس سے ظالم کبھی بچ نہیں سکتا ہے کیونکہ مظلوموں کی آہ ونالہ کو رب کریم فوراً قبول کرلیتا ہے جیسا کہ حبیب کائنات ومحبوب خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو!" اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ "، مظلوم کی آہ وبددعا سے بچو کیونکہ مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے۔(بخاری:2448، مسلم:19) رب کریم کا عدل وانصاف دیکھئے کہ مظلوم کافر ومشرک وبدکار اور فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو مگر اس کی فریاد کو شرف قبولیت سے بخشا ہے جیسا کہ سرورکونین ﷺ نے فرمایا "دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُورُهُ عَلَى نَفْسِهِ "، مظلوم کی آہ ونالہ کو ضرور بالضرور شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے گرچہ مظلوم گنہگار فاسق وفاجر اور کافر ہی کیوں نہ ہو اگر مظلوم فاسق وفاجر اور کافر ہے تو اس کے فسق وفجور اور کفر کا وبال اسی کے اوپر ہوگا مگر اس کی آہ سنی جائے گی۔(الصحیحۃ:767، احمد:8795، 12549)

مظلوم کی بددعا ظالم پر کیسے اثر کرتی ہے آیئے میں آپ کو ایک سچا واقعہ سناتا ہوں تاکہ آپ کو یقین کامل ہوجائے کہ مظلوم کی آہ سے کوئی بھی ظالم بچ نہیں سکتا ہے واقعہ کچھ یوں ہے کہ سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیل جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور سیدنا عمر بن خطابؓ کے بہنوئی بھی ہیں ان کے خلاف ایک عورت اروی بنت اوس نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کے دربار میں یہ شکایت کی کہ سعید بن زیدؓ نے اس کی زمین کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا ہے، مروان نے آپؓ کو بلایا اور اس بارے میں جب پوچھ تاچھ کی تو سعید بن زیدؓ نے کہا کہ اے مروان میں اروی کی زمین پر کیسے قبضہ جما سکتا ہوں جب کہ میں نے خود اپنے محبوب جناب محمد عربی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ " مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ " جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً کسی کی دبالی تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا، یہ سن کر مروان نے کہا کہ بس بس! اس کے بعد آپ سے اور کوئی دلیل نہیں مانگوں گا، معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا جب اروی بنت اوس نے ان کو بار بار ستایا تو انہوں نے اللہ کے حضور یہ کہہ کر بددعا کردی کہ " أَللَّهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَاجْعَلْ قَبْرَهَا فِي دَارِهَا " اے اللہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو تو اسے اندھا کردے اور اس کے گھر میں ہی اس کی قبر کو بنادے ، میرے دوستو! راویٔ حدیث محمد کے والد محترم زیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اروی اندھی ہوگئی تھی اور وہ دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر چلا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ مجھے سعید بن زیدؓ کی بددعا لگ گئی ہے، پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اپنی ہی زمین میں موجود کنویں کے پاس سے گذر رہی تھی کہ اس میں گرگئی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا، اور یہی وہ زمین تھی جس کے بارے میں اس نے مروان سے سعید بن زیدؓ پر جھوٹا مقدمہ درج کیا تھا۔(بخاری:3198، مسلم:1610) سچ فرمایا ہے حبیب کائنات ﷺ نے کہ " ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ " تین قسم کی دعائیں ایسی ہیں جن کے قبول ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے نمبر ایک مظلوم کی آہ، نمبر دو مسافر کی دعا اور نمبر تین اولاد کے حق میں والد کی دعا۔(ابن ماجہ:3862، قال الالبانیؒ: اسنادہ حسن) کسی شاعر نے کیا ہی خوب ترجمانی کی ہے:

مظلوم کے دل کا ہر نالہ تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے
ظالم کو کوئی جا کر دے خبر، انجام ستم کیا ہوتا ہے

(5) ظالم ملعون ہوتا ہے:

ظلم ایک ایسا گناہ ہے جس کو انجام دینے والا دنیا وآخرت میں ہر آن اور ہر لحمہ رب ذوالجلال والاکرام کی لعنت کا مستحق بنا رہتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے" أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ " خبردار! یاد رکھو! کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت برستی

رہتی ہے۔(ھود:18) اسی طرح سے ظالموں پر آخرت میں بھی لعنتیں ہی لعنتیں نازل کی جائیں گی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے رب نے ارشاد فرمایا کہ ” یَـوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِینَ مَعْذِرَتُھُمْ وَلَھُمُ اللَّعْنَةُ وَلَھُمْ سُوْءُ الدَّارِ “ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت، حیلے وبہانے کچھ نفع نہ دے گی اور ان ظالموں کے لئے لعنت ہی ہوگی اوران کے لئے برا گھر ہوگا۔(المؤمن:52)

(6) ظالم کو کبھی ہدایت نہیں ملتی ہے:

میرے دوستو! قرآن ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ ظالم کو کبھی بھی سیدھے راستے کی توفیق نہیں ملتی ہے، ظالم کبھی بھی اپنے عقل کا صحیح استعمال نہیں کرتا ہے، قرآن مجید کے اندر رب العالمین نے جگہ جگہ پر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ”وَاللّٰـهُ لَا یَھْدِی الْقَـوْمَ الظّٰـلِمِینَ“ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔(آل عمران:86) ایک دوسری جگہ پر قرآن نے تاکید کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ” إِنَّ اللّٰهَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِینَ“ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔(الانعام:144) یقیناً ظالموں کو ہدایت نہیں ملتی ہے اب ذرا دیکھئے کہ ظالم فرعون کو ہدایت نہ ملی مگر اس کی بیوی سیدہ آسیہ کو ہدایت مل گئی اور وہ کامیاب ہوگئیں۔

(7) ظالم کو کبھی کامیابی نہیں ملتی ہے:

طاقت وقوت کے نشے میں چور ظالم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جیسا چاہیں ویسا قانون نافذ کردیں، ظالم یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم سے زیادہ کوئی عقلمند اور ہوشیار نہیں، آج ظالم اپنے آپ کو بہت ہوشیار اور چالاک سمجھ رہا ہے، ظالم لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاکر، طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے اللہ کے بندوں کے حقوق کو غصب کرکے، کمزور وناتواں طبقوں کے حقوق کو مار کر ظالم اپنی سیاسی کرسی کو چمکانا چاہتا ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ جو بھی کر رہا ہے وہ بہت اچھا کر رہا ہے، آج ظالم اس بات سے بہت خوش ہو رہا ہے کہ اس کا ہر آئیڈیا اور ہر پلان کامیاب ہوتا جا رہا ہے مگر یاد رکھ لیں کہ ظالم لاکھ کوشش کرلیں، ہزار جتن کرلیں مگر ظالم کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ رب کریم ورحیم نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ پر یہ اعلان کردیا ہے کہ ”إِنَّـهُ لَا یُـفْلِحُ الظّٰلِمُونَ“ اے لوگو! یاد رکھ لو ظالم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔(الانعام:21، یوسف:23) میرے دوستو! قرآن اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یقیناً ظالم کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے مثال کے طور پر آپ فرعون ہی کی بات لے لیجئے اس نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، بنی اسرائیل پر کیا کچھ ظلم نہیں ڈھایا، بے شمار بچوں کو قتل کیا مگر پھر بھی موسی علیہ السلام کے ہاتھوں غرق آب ہوکر نشان عبرت بن گیا، اسی طرح سے دوسری مثال لے لیجئے عزیز مصر کی بیوی نے سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے جھانسے میں پھنسانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، سیدنا یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈال دیا مگر پھر بھی اسے کامیابی نہ ملی اور وہ خود ذلیل ورسوا ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام اتنے معزز ومکرم بنے کہ ان کے قدموں میں پوری ملک کی بادشاہت آگئی، یقیناً ظالم کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔

(8) ظالم کو ظالم کے ذریعے ہی ہلاک وبرباد کیا جاتا ہے:

ظالم کا ایک بھیانک اور خطرناک انجام یہ بھی ہے کہ ظالم کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو! ظالم کتنا ہی ہوشیار اور چالاک کیوں نہ ہو! ظالم کی پہنچ اوپر تک ہی کیوں نہ ہو! ظالم کی حمایت میں پوری دنیا ہی کیوں نہ کھڑی ہو مگر یہ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ ایک ظالم کو ہلاک وبرباد کرنے کے لئے ایک اور ظالم کو اس کے اوپر مسلط کردیا جاتا ہے سنئے قرآن کے اندر رب العزت کا اعلان ” وَكَـذٰلِكَ نُـوَلِّی بَعْضَ الظّٰلِمِینَ بَـعْـضًا بِمَا كَانُوا یَكْسِبُونَ “ اور اسی طرح سے ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر مسلط کردیتے ہیں اور ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں۔(الانعام:129)

(9) ظالم کی آخرت تباہ وبرباد ہوجاتی ہے:

ظالم جہاں دنیا کے اندر طرح طرح کے عذاب وسزا سے دوچار ہوتا رہتا ہے وہیں پر دوسری طرف ظالموں کی آخرت بھی برباد ہے، کل قیامت کے دن ہر ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ کس طرح سے لیا جائے گا آیئے اس بارے میں ایک پیاری سی حدیث سنتے ہیں سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حبیب کائنات ﷺ نے بیان فرمایا کہ ” مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِیهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْیَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا یَكُونَ دِینَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ “ اگر کسی شخص کا ظلم کسی دوسرے کی عزت پر ہو یا کسی اور طریقے سے ظلم کیا ہو تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس دن کے آنے سے پہلے پہلے معافی وتلافی اور رفع دفع کرلے جس دن دینار ودرہم نہیں ہوں گے ” إِنْ كَـانَ لَهُ عَـمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَیْهِ “ بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے بدلے میں وہی لے لیا جائے گا اور اگر کوئی نیک عمل اس کے پاس نہیں ہوں گے تو اس مظلوم کی برائیاں اس کے اوپر ڈال دی جائے گی اور پھر اسے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے گا۔(بخاری:2449)

رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ الہ العالمین ہم سب کو ہر طرح کے ظلم وستم سے محفوظ رکھے۔آمین۔

☆☆☆

دعا ومناجات میں شرک بدترین گناہ

آصف تنویر تیمی، جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار

اللہ تعالی خالق، رازق، سننے، دیکھنے، محبت کرنے، اور جواب دینے والا ہے۔ دنیا کے سارے لوگ چاہے جس زبان میں اللہ تعالی سے دعا کریں اللہ تعالی سب کی دعاؤں کو یکساں سنتا اور پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ اللہ تعالی اگر ان سب کو ان کی دعاؤں کے مطابق عطا کردے تو اس سے اس کے خزانے میں ذرہ برابر کمی واقع ہونے والی نہیں ہے۔ اللہ تعالی چاہتا ہے کہ بندے اس کے آگے فروتنی اختیار کریں، اس سے مانگیں، اپنی ضروریات کو اس کے آگے رکھیں، اور اس کے سامنے اپنی شکایتوں کو پیش کریں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے''۔ (المومن:٦٠) دوسرے مقام پر فرمایا: ''اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے''۔ (البقرۃ:١٨٦) ایک اور جگہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں''۔ (السجدۃ:١٦)

مناسک حج کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالی نے خصوصیت سے اپنے بندوں کو دعا ومناجات کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''پھر جب تم ارکان حج ادا کرچکو تو اللہ تعالی کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے''۔ (البقرۃ:٢٠٠/٢٠١)

دعا تمام تر خیر وبھلائی اور عبادت الہی کا نچوڑ ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''یقیناً دعا ہی عبادت ہے''۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر:٣٢٤٧) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ''مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو، مدد طلب کرنی ہو تو اللہ سے کرو، جان لو کہ سارے لوگ اکٹھا ہوکر تمہیں کسی قسم کا فائدہ پہنچانا چاہیں تو سوائے اس کے کچھ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے، اور اگر سارے لوگ اکٹھا ہوکر تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانا چاہیں تو سوائے اس کے نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے''۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر:٢٥١٦)

بادشاہت، دینے نہ دینے، اور نفع ونقصان پر قدرت رکھنے کے اعتبار سے اللہ تعالی بے مثال ہے۔ جس کا تقاضہ ہے دنیا کے سارے لوگ اسی ایک ذات کو پکاریں، اسی کی عبادت کریں۔ عبادت اسی کے شایان شان ہوتی ہے جو نفع اور نقصان کا مالک ہوتا ہے، اس لحاظ سے اللہ تعالی ہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے''۔ (یونس:١٠٧) دوسرے مقام پر فرمایا: ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالی مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالی مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں''۔ (الزمر:٣٨) ایک اور مقام پر فرمایا: ''اللہ تعالی جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کردے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے''۔ (فاطر:٢)

جب دعا عبادت ہے تو پھر کسی غیر سے کرنا شرک ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو مخلوقات کے آگے اپنا ہاتھ، اپنی پیشانی، اور اس کے در کو کھٹکھٹاتے ہیں مگر خالق سے نہیں مانگتے۔ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس ہیں وہ لوگ جو مردوں سے دعا اور مدد کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ زندے مردے کسی طرح کی حاجت روائی نہیں کرسکتے۔ اور مشرکین ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرسکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہوجائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کرجائیں گے''۔ (الاحقاف:٦/٥)

اسلاف نے بھی غیر اللہ سے دعا کرنے سے روکا ہے۔ ہندوستان کے مشہور

عالم دین شاہ اسماعیل بن عبد الغنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:''دور ونزدیک سے مردوں کو پکارنا اللہ تعالی کے علم میں غیر کو شریک قرار دینے کے مترادف ہے، اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کو قرآن کریم میں بیوقوف اور ناسمجھ قرار دیا ہے''۔(ملاحظہ ہو: تقویۃ الایمان) امام مالک رحمہ اللہ دعا کے مسئلے میں اس قدر محتاط تھے کہ انہیں الفاظ اور صیغے کے ساتھ دعا کو صحیح جانتے تھے جن الفاظ کے ساتھ دعا وارد ہو۔ اگر کوئی ''یا سیدی'' ''یا حنان'' کے صیغوں کے ذریعہ دعا کرتا جبکہ ان صیغوں کے ذریعہ دعا موجود نہ ہوتی تو اس عمل کو ناپسند کرتے، اور سنت کی اتباع اور پیروی کو لازمی قرار دیتے۔ جب الفاظ کے معاملے میں امام مالک اتنے محتاط تھے تو بھلا وہ غیر اللہ سے دعا کرنے کو کیسے جائز سمجھ سکتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر کسی کا اپنے لئے دعا کرنے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے''۔(العتبیہ مع البیان والتحصیل:۱/۴۵۶) امام ابن خزیمہؒ (جن کا شمار علماء شافعیہ میں ہوتا ہے) کعبہ، صفا ومروہ، منی وعرفہ جیسے مقدس مقامات سے پناہ طلب کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں چہ جائیکہ وہ کسی ادنی مخلوق سے دعا کو جائز سمجھیں''۔(التوحید:۱/۴۰۱) پتہ چلا غیر اللہ سے دعا کرنا قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور نہ سلف صالحین اور فقہاء کرام سے۔ اس کے باوجود اگر کوئی غیر اللہ کو پکارتا ہے تو اس سے بڑا ظالم اور گہنگار کوئی نہیں ہو سکتا۔

بعض مسلمانوں کے ذہن میں دعا کے تعلق سے یہ اشکال پایا جاتا ہے کہ میں اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اور اس بات پر پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی رازق، نفع بخش، ضرر رساں نہیں ہے، یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلا اللہ کے حکم کے اپنی ذات کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے چہ جائیکہ عبد القادر جیلانی اور نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ جیسے لوگ کسی کی بگڑی بنائیں۔ ایسا پختہ عقیدہ رکھنے کے باوجود ان کا یہ اشکال ہوتا ہے کہ میں گنہگار ہوں، اور نیکوکار لوگ اللہ کے نزدیک خصوصی مقام رکھتے ہیں اگر میں ان کے ذریعہ اپنا مراد طلب کروں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لہذا بہت سارے لوگ غیر اللہ کے ذریعہ اپنی دعا کرتے اور ان کو اپنا سفارشی مانتے ہیں۔

یہی اشکال مشرکین قریش کا تھا، جس کا تذکرہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں کیا ہے۔ فرمایا:''یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! اللہ تعالی ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں، یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ (خود) کرے گا۔ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالی راہ نہیں دکھاتا''۔(الزمر:۳/۲) دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا:''اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالی کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے''۔(یونس:۱۸)

بعض لوگ ان آیتوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان کا تعلق مشرکوں سے ہے جو بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، چنانچہ اس زمرے میں صالحین کو کیسے داخل کیا جا سکتا ہے یا نبیوں کو بتوں کے قائم مقام کیسے رکھا جا سکتا ہے؟ یعنی بتوں کو سفارشی سمجھنے والے اور نبیوں کو سفارشی سمجھنے والے یکساں نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگوں کو یہ جاننا چاہئے کہ مشرکین قریش بھی اسی دلیل کی بنیاد پر فرشتوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:''اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر کا انہیں پر ایمان تھا''۔(سبا:۴۰/۴۱)

مشرکین قریش میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کو اپنا سفارشی تصور کیا کرتے تھے، اللہ تعالی نے ان لوگوں کی بھی تردید کی، فرمایا:''مسیح ابن مریم (علیہ السلام) سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے، آپ دیکھئے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجئے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اور اللہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے''۔(المائدہ:۷۵/۷۶) بلکہ قوم نوح کے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جو در اصل نیک لوگ تھے ان کی عبادت بھی اسی شبہ کی بنیاد پر کی جانے لگی کہ وہ اللہ سے قریب کر دیں گے۔ چنانچہ ہمیں اس قسم کے باطل اور فرسودہ اشکالات سے ہوشیار رہنا چاہئے، اور ہر قسم کی دعا ومناجات اللہ تعالی سے کرنی چاہئے۔

بعض سادے قسم کے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ زندہ اور فوت شدگان ہماری سفارش اللہ تعالی کے حضور کریں گے، حالانکہ آخرت میں کوئی بھی بلا اللہ تعالی کی اجازت کے سفارش نہیں کرے گا، اللہ تعالی نے فرمایا:''کہہ دیجئے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے''۔(الزمر:۴۴) دوسرے مقام پر فرمایا:''کیا ان لوگوں نے اللہ تعالی کے سوا (اوروں کو) سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں''۔(الزمر:۴۳) ایک اور جگہ اللہ تعالی نے فرمایا:''

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے (سب) کو پکار لو، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔اور شفاعت (سفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لئے اجازت ہوجائے۔یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند وبالا اور بہت بڑا ہے''۔(سبا:۲۲،۲۳)اس وقت عوام وخواص کی بڑی تعداد شفاعت اور دعا کے مسائل میں صحیح عقیدہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے کفر وشرک میں مبتلا ہے۔اس لئے مبلغین اور خطباء کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اس حوالے سے مسلمانوں کو تنبیہ کریں اور راہ حق کی دعوت دیں تاکہ مسلمانوں کے دین وعقیدہ کی حفاظت ہوسکے۔

اگر دعا کی شرطیں اور آداب پائی جائیں تو اللہ تعالی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، جیسے: ہمارے اندر اخلاص پایا جائے، صدق دل سے توبہ کریں، خشوع خضوع کے ساتھ دعا کریں، دعا میں اصرار اور تکرار ہو، آسانی میں بھی اللہ کو یاد رکھیں، اللہ کے ناموں کا وسیلہ اختیار کریں، ماثور دعاؤں کا انتخاب کریں، قبلہ رو ہوکر دعا کریں، باوضو ہوکر دعا کریں، دعا کا آغاز اللہ تعالی کی حمد وثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سے ہو، دعا کے دوران ہاتھ اٹھائیں، افضل ترین اوقات میں دعا کا اہتمام کریں۔ساتھ ہی ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہو تو پھر ہمیں ان امور سے اجتناب کرنا چاہئے جن کی وجہ سے ہماری دعائیں رد کردی جاتی ہیں:

(۱) حرام خوری: دعا کی قبولیت کی راہ میں اہم ترین رکاوٹ حرام خوری ہے۔ اور افسوس اس وقت اکثریت اس برائی میں ملوث ہے۔ذی الحجہ کے تیسرے دن ایک پڑھے لکھے مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ ہندوستان کے موجودہ سیاسی اور دینی مسائل پر گفتگو شروع ہوئی، انہوں نے برملا پوچھا کہ آخر ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہورہی ہیں؟ میں نے یہی کہا کہ جناب! ہماری زندگی سے حلال خوری کی صفت رخصت ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے ہماری دعائیں رب کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرپارہی ہے۔

(۲) جلد بازی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''کسی شخص کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ مطلوب شے کے بارے میں عجلت سے کام نہ لے''۔اور عجلت کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنے والا شخص اللہ تعالی کی نوازش اور عطا سے ناامید اور پریشان خاطر نہ ہو۔

(۳) بے یقینی: دعا کے آداب میں سے ہے کہ دعا کرنے والے کا دل یقین واعتماد سے پر ہو، بے اعتمادی اور بے یقینی کی صورت نہ ہو۔یا اس قسم کے الفاظ استعمال نہ کرے کہ''اے اللہ! اگر تو چاہئے تو مجھے معاف فرمادے''، یا''اگر تو چاہے تو مجھے نواز دے''۔

(۴) غفلت اور تساہلی سے دوری: دعا کارگر علاج ہے جس سے جسمانی اور روحانی بیماری ختم ہوتی ہے، لیکن اگر دل ہی غفلت کا شکار ہوجائے تو بھلا دعا کا مقصود کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ دعا کے وقت دل ودماغ کو حاضر رکھا جائے، غفلت سے بچا جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالی مغفل شخص کی دعا کو قبول نہیں کرتا''۔(جامع ترمذی، حدیث نمبر:۳۴۷۹)

اللہ تعالی ہم سب کو توحید پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے گناہ سے مامون ومحفوظ رکھے، خاص طور سے شرک وبدعت سے بچائے۔آمین

☆☆☆

جماعتی خبریں

انتقال پرملال: یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی جائے گی کہ ۲۱ جولائی ۲۰۲۳ء بروز جمعہ صوبائی جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش کے سابق ناظم اعلیٰ عبیدالرحمٰن وفا صدیقی صاحب کے بھانجے محمد ارشد گوالیاری امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث گوالیار کا دل کا دورہ پڑنے سے انتقال پُرملال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون مرحوم متقی پرہیزگار اور ملنسار اور تعلیم وتعلم سے وابستہ تھے وہ مدرسہ محمدیہ کے صدر اور مسجد اہل حدیث گوالیار کے متولی تھے ان کی نماز جنازہ اور تدفین گوالیار ہی میں عمل میں آئی۔اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر وسلوان کی توفیق عطا فرمائے۔(غمزدہ ودعا گو: مولانا ابوالحسن فیضی)

ایک جید عالم حافظ کی ضرورت

ایک جید تجربہ کار استاد کی ضرورت ہے، جو حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ عالم وفاضل بھی ہوں اور مشہور سلفی ادارہ سے فارغ ہوں، کم از کم چار پانچ سال کا تدریسی تجربہ رکھتے ہوں۔

ذمہ داری یہ ہوگی کہ صبح ۸ بجے سے ۲ بجے تک جامعۃ الامام ثناء اللہ الأمرتسری نزد آرام گھر، حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دینا ہوگا۔ اور ۴ بجے سے عشاء تک مدرسہ صفہ لتحفیظ القرآن میں صدارت کی ذمہ داری نبھانی ہوگی۔ انٹرویو کے لئے آنے جانے کا خرچ جامعہ کے ذمہ رہے گا اور ملاقات کے وقت بالمشافہ تنخواہ کی بات طے کی جائے گی۔

رابطہ کریں: شفیق عالم خان جامعی

امیر شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد 8328536029

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

معصوم بچوں کی موت پر صبر

مولانا ابوحمدان اشرف فیضی

چھوٹے بچوں کی موت والدین کے لئے بڑا کٹھن اور صبر آزما موقع ہوتا ہے، ایسی مشکل گھڑی میں جو ماں باپ صبر وضبط اور ہمت سے کام لیتے ہیں ان کے لئے احادیث میں بڑی بشارت وارد ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يقول الله تعالىٰ: ما لعبدى المؤمن عندى جزاء اذا قبضت صفيه من أهل الدنيا ثم احتسبه الا الجنة (صحيح البخارى : كتاب الرقاق، باب العمل الذى يبتغى به وجه الله فيه سعد: ٦٤٢٤) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کا جس کی میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے، تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کے ساتھ اس کا بیٹا (بھی) تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: اللہ آپ سے ایسے ہی محبت کرے جیسے میں اس سے کرتا ہوں، پھر وہ (لڑکا) مرگیا، تو آپ نے (کچھ دنوں سے) اسے نہیں دیکھا تو اس کے بارے میں (اس کے باپ سے) پوچھا (تو انہوں نے بتایا کہ وہ مرگیا ہے) آپ نے فرمایا:ما يسرک أن لا تأتى بابا من أبواب الجنة الا وجدته عنده يسعى يفتح لک (سنن النسائى: كتاب الجنائز الأمر بالاحتساب والصبر عند نزول المصيبة: ١٨٧٠م صحيح) کیا تمہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوگی کہ تم جنت کے جس دروازے پر جاؤ گے (اپنے بچے) کو اس کے پاس پاؤ گے، وہ تمہارے لئے دوڑ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا۔ دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا:ألا تحب أن تأتى بابا من أبواب الجنة الا وجدته ينتظرک؟ فقال رجل يا رسول الله أله خاصة أم لكلنا؟ قال: بل لكلكم (أخرجه أحمد: ١٥٣٣، وابن حبان: ٢٩٤٧، والحاكم: ١٤١٧، مجمع الزوائد ١٢/٣ رجاله رجال الصحيح، صحيح الترغيب ٢٠٠٧ تخريج مشكاة المصابيح للالبانى: ١٦٩٧ اسناده صحيح) کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے پر بھی آؤ گے مگر اسے (اپنے بچے کو) انتظار کرتا ہوا پاؤ گے، ایک آدمی نے کہا: کیا اس آدمی کے لئے یہ بشارت نہیں کہ تم جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے پر بھی آؤ گے مگر اسے (اپنے بچے کو) انتظار کرتا ہوا پاؤ گے، ایک آدمی نے کہا: کیا اس آدمی کے لئے یہ بشارت خاص ہے یا ہم سب کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ یہ بشارت تم سب کے لئے ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے:عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: مامن مسلمين يموت بينهما ثلاثة أولاد لم يبلغوا الحنث الا أدخلهما الله بفضل رحمته اياهم الجنة، قال: يقال لهم: ادخلوا الجنة، فيقولون: حتى يدخل آباؤنا، فيقال: ادخلوا الجنة أنتم وآباؤكم (سنن النسائى: كتاب الجنائزمن يتوفى له ثلاثة: ١٨٧٦، صحيح) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان ماں باپ کے تین نابالغ بچے مرجائیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو ان پر اپنی رحمت کے فضل سے جنت میں داخل کرے گا، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ان سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہوجاؤ، تو وہ کہیں گے (ہم نہیں داخل ہوسکتے) جب تک کہ ہمارے والدین داخل نہ ہوجائیں (پھر) کہا جائے گا: (جاؤ) اپنے والدین کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ۔

ایک اور حدیث میں ہے: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کسی بندے کی اولاد فوت ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے، تم نے میرے بندے کی اولاد (کی روح) کو قبض کرلیا؟ تو وہ کہتے ہیں: ہاں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں حمدك واسترجع اس نے تیری حمد بیان کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو اللہ فرماتا ہے:ابنوا لعبدى بيتا فى الجنة، وسموه بيت الحمد تم میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔ (سنن الترمذى، أبواب الجنائزعن رسول الله صلى الله عليه وسلم باب فضل المصيبة اذا احتسب صحيح الترغيب: ٢٠١٢) اسی طرح دوسری حدیث میں ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کی عورتوں سے فرمایا: لا يموت لاحداكن ثلاثة من الولد فتحتسبه الا دخلت الجنة، فقالت امراة منهن أو اثنين يارسول الله، قال: أو اثنين (صحيح مسلم: كتاب البر والصلة والآداب باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه: ٢٦٣٢) تم میں سے جس کے تین بچے فوت ہوجائیں اور وہ اللہ کی رضا کے لئے صبر کرے تو جنت میں جائے گی، ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر دو بچے انتقال کریں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دو مریں تب بھی یہی ثواب ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ بچپن میں فوت ہونے والے بچے اپنے ماں کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ اور پردہ ہوں گے بشرطیکہ والدین اجر وثواب کی نیت سے صبر

کیے ہوں گے،حدیث نبوی ﷺ ہے:عن أبی هريرة قال: أتت امرأة النبی صلی الله عليه وسلم بصبی لها، فقالت: يا نبی الله، ادع الله له، فلقد دفنت ثلاثة، قال: دفنت ثلاثة؟ قالت: نعم قال: لقد احتظرت بحظار شديد من النار (صحيح مسلم: كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه: ٢٦٣٦) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے ایک بچے کو لے کر آئی اور عرض کی: یارسول اللہ! میرے اس بیٹے کے لئے دعا فرمائیے وہ بیمار ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ کہیں مر نہ جائے، کیوں کہ میں اب تک تین بچوں کو دفنا چکی ہوں۔ آپ ﷺ نے (تعجب سے) فرمایا: تم اب تک تین بچوں کو دفنا چکی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے تو ایک مضبوط روک کر لی ہے جہنم کی۔ یعنی تم نے جہنم سے بچنے کے لئے مضبوط آڑ بنالی ہے۔

محمود صبر: اورشرعاً جو صبر محمود ومطلوب ہے وہ وہی صبر ہے جو مصیبت کے وقت ہی ہو، ورنہ ایک مدت کے گزرنے کے بعد تو صبر ہو ہی جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بامرأة تبكي عند قبر فقال: اتقی الله واصبری قالت اليک عنی فانک لم تصب بمصيبتی ولم تعرفه فقيل لها انه النبی صلی الله عليه وسلم فأتت باب النبی صلی الله عليه وسلم فلم تجد عنده بوابين فقالت: لم أعرفک فقال: انما الصبر عند الصدمة الأولى (صحيح البخاری: كتاب الجنائز باب زيارة القبور:١٢٨٣) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ وہ بولی جاؤ جی پرے ہٹو۔ یہ مصیبت تم پر پڑی ہوتی تو پتہ چلتا۔ وہ آپ ﷺ کو پہچان نہ سکی تھی۔ پھر جب لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ نبی کریم ﷺ تھے، تو اب وہ (گھبرا کر) نبی کریم ﷺ کے دروازہ پر پہنچی۔ وہاں اسے کوئی دربان نہ ملا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آپ کو پہچان نہ سکی تھی۔ (معاف فرمائیے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر تو جب صدمہ شروع ہوا اس وقت کرنا چاہیے (اب کیا ہوتا ہے)

بچپن میں مرنے والے بچوں کی کفالت: حدیث میں ہے:عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم أطفال المسلمين فی جبل فی الجنة يكفلهم ابراهيم وسارة حتی يدفعونهم الی آباء هم يوم القيامة (أخرجه ابن أبی الدنيا فی النفقة علی العيال: ٢٠٣، والحاكم: ١٤١٨، وأبو نعيم فی تاريخ أصبهان: ٢/٢٣٣، باختلاف يسير، السلسلة الصحيحة: ١٤٦٧، رجاله ثقات صحيح الجامع: ١٠٢٣) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے بچے جنت کے ایک پہاڑ میں رہتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام ان کی کفالت کرتے ہیں، روز قیامت انہیں ان کے آباء کے حوالے کر دیں گے۔

بچوں کی موت پر نبی ﷺ اور صحابہ وصحابیات کا جذبۂ صبر:

اس مصیبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دوچار کیا، آپ کے بیٹے ابراہیم کی وفات حالت رضاعت میں ہوگئی، مگر اس عظیم حادثے میں بھی نبی کریم ﷺ نے صبر وہمت سے کام لیا، اور اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی بات زبان سے نہیں نکالی، بلکہ اللہ کے فیصلے سے راضی رہے، حدیث میں ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار کے یہاں گئے۔ یہ ابراہیم (رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے) کو دودھ پلانے والی انا کے خاوند تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بیٹے ابراہیم کو گود میں لیا اور پیار کیا اور سونگھا۔ پھر اس کے بعد ہم ان کے یہاں ایک بار پھر گئے۔ دیکھا کہ اس وقت ابراہیم دم توڑ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ یارسول اللہ! اور آپ بھی لوگوں کی طرح بے صبری کرنے لگے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابن عوف! یہ بے صبری نہیں یہ تو رحمت ہے۔ پھر آپ ﷺ دوبارہ روئے اور فرمایا: ان العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول الا ما يرضی ربنا، وانا بفراقک يا ابراهيم لمحزونون (صحيح البخاری: كتاب الجنائز، باب قول النبی: انا بك لمحزونون: ١٣٠٣) آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم سے نڈھال ہے پر زبان سے ہم وہی کہیں گے جو ہمارے پروردگار کو پسند ہے اور اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے نواسے کا جب انتقال ہوا تو اس وقت بھی آپ ﷺ شدید مغموم تھے، غم سے آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں مگر نبی کریم ﷺ نے خود صبر سے کام لیا اور اپنی بیٹی کو بھی صبر کی تلقین کی، حدیث میں واقعہ اس طرح سے ہے: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ آپ کی ایک صاحبزادی زینب کے بھیجے ہوئے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ان کے لڑکے جاں کنی میں مبتلا ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کو بلا رہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم جا کر انہیں بتا دو کہ اللہ ہی کا سب کچھ ہے وہ جو چاہے لے لے اور اسی کا ہے جو کچھ وہ دیدے اور اس کی بارگاہ میں ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے پس ان سے کہو کہ صبر کریں اور اس پر اجر وثواب کی نیت کریں۔ صاحبزادی نے دوبارہ آپ کو قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ سعد بن معاذ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہوئے (پھر جب آپ صاحبزادی کے گھر پہنچے تو) بچہ آپ کو دیا گیا اور اس کی سانس اکھڑ رہی تھی جیسے پرانی مشک کا حال ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ کی

آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **هذه رحمة جعلها الله فی قلوب عباده وانما يرحم الله من عباده الرحماء** (صحيح البخاری: كتاب التوحيد، باب قول الله تبارك وتعالى: قل ادعوا الله أو الرحمن: ۷۳۷۷) یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے اور اللہ بھی اپنے انہیں بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔

اسی طرح ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کی موت پر جس صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اس واقعے میں خواتین کے لئے بہت بڑی مثال ہے، حدیث کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا بیمار تھا۔ بوطلحہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے کہ بچے کا انتقال ہوگیا۔ جب وہ (تھکے ماندے) گھر واپس آئے تو پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ پہلے سے زیادہ سکون کے ساتھ ہے، پھر بیوی نے ان کے سامنے کھانا رکھا اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد انہوں نے ان کے ساتھ ہمبستری کی، پھر جب فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بچہ کو دفن کر دو۔ صبح ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے رات ہمبستری بھی کی تھی؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کی اے اللہ! ان دونوں کو برکت عطا فرما۔ پھر ان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو مجھ سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے حفاظت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ۔ چنانچہ وہ بچہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بچہ کے ساتھ کچھ کھجوریں بھیجیں، نبی کریم ﷺ نے بچہ کو لیا اور دریافت فرمایا کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں کھجوریں ہیں۔ آپ نے اسے لے کر چبایا اور پھر اسے اپنے منہ میں سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیا اور اس سے بچے کی تحنیک کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (صحيح البخاری: كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن يعق وتحنيكه: ۵۴۷۰)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ واقعہ تھوڑے اور معانی کے اضافہ کے ساتھ مروی ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے تھا مر گیا۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ابوطلحہ کو ان کے بیٹے کے موت کی خبر نہ دینا جب تک میں خود نہ کہوں۔ آخر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے، ام سلیم رضی اللہ عنہا شام کا کھانا سامنے لائیں۔ انہوں نے کھایا اور پیا۔ پھر ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے اچھی طرح بناؤ سنگھار کیا یہاں تک کہ انہوں نے ان سے جماع کیا، جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ سیر ہوگئے اور ان کے ساتھ صحبت بھی کر چکے اس وقت انہوں نے کہا: اے ابوطلحہ! اگر کچھ لوگ اپنی چیز کسی گھر والوں کو بطور عاریت دیں پھر اپنی چیز مانگیں تو کیا گھر والے اس کو روک سکتے ہیں؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں روک سکتے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: تو میں آپ کو آپ کے بیٹے کے انتقال کی خبر دیتی ہوں، یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے اور کہنے لگے، تو نے مجھ کو خبر نہ کی کہ یہاں تک کہ میں آلودہ ہوا (جنبی ہوا) اب مجھ کو خبر کی۔ وہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ ﷺ کو خبر کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بارك الله لكما فی غابر ليلتكما الله تعالى اللہ تم کو برکت دے تمہاری گزری ہوئی رات میں۔ پس ام سلیم رضی اللہ عنہا حاملہ ہوگئیں، (آگے باقی حدیث بیان کی) (صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة رضى الله تعالى عنهم، باب من فضائل أبي طلحة الأنصاری رضى الله عنه: ۲۱۴۴)

نوحہ وماتم کی حرمت: کسی عزیز کے انتقال پر غم کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانا یہ مذموم نہیں ہے بلکہ یہ فطری رحمت اور شفقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈال دی ہے۔ لیکن نوحہ وماتم کرنا، میت کے محاسن کو بیان کر کے چیخنا، چلانا، گریبان پھاڑنا، چہرے پر طمانچہ مارنا، سر کے بالوں کو نوچنا، بے قابو ہونا، اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ کلمات بولنا، تقدیر پر اعتراض کرنا یہ سب صحیح نہیں ہے، اکثر خواتین اس میں مبتلا ہیں، اسلام نے سختی سے اس سے منع کیا ہے اور اسے جاہلی اعمال میں شمار کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **أربع فی أمتی من أمر الجاهلية لا يتركونهن: الفخر فی الأحساب، والطعن فی الأنساب والاستسقاء بالنجوم، والنياحة وقال: النائحة اذا لم تتب قبل موتها، تقام يوم القيامة وعليها سربال من قطران ودرع من جرب** (صحيح مسلم: كتاب الجنائز، باب التشديد فی النياحة: ۹۳۴) میری امت میں جاہلیت (یعنی زمانہ کفر) کی چار چیزیں باقی رہیں گی کہ لوگ ان کو نہیں چھوڑیں گے، اپنے حسب پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ خوانی کرنا اور فرمایا: نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو جب قیامت ہوگی تو اس پر گندھک کے پیرہن اور کھجلی کی اوڑھنی ہوگی۔

ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے اسے کفریہ عمل قرار دیا ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: **عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اثنتان فی الناس هما بهم كفر: الطعن فی النسب، والنياحة على الميت** (صحيح مسلم: كتاب الايمان، باب الطعن فی النسب والنياحة: ۶۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں دو باتیں موجود ہیں اور وہ کفر ہیں۔ ایک نسب میں طعنہ کرنا، دوسرا میت پر چلا کر رونا۔

اور نوحہ خوانی کرنے والوں سے نبی کریم ﷺ نے براءت کا اعلان کیا ہے، فرمایا: **ليس منا من ضرب الخدود، وشق الجيوب، ودعا بدعوى الجاهلية** (صحيح البخاری: كتاب الجنائز، باب: ليس منا من ضرب الخدود: ۱۲۹۷) جو شخص (کسی میت پر) اپنے رخسار پیٹے، گریبان

پھاڑے اورعہد جاہلیت کی سی باتیں کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔دوسری حدیث میں ہے:وجع أبو موسى وجعا فغشى عليه ورأسه فى حجر امرأة من أهله فلم يستطع أن يرد عليها شيئا، فلما أفاق قال: أنا برى ممن برى منه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم برى من الصالقة، والحالقة والشاقة (صحيح البخارى: كتاب الجنائز، باب ماينهى من الحلق عند المصيبة: ١٢٩٦) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیمار پڑے، ایسے کہ ان پر غشی طاری تھی اوران کا سران کی ایک بیوی ام عبداللہ بنت ابی رومہ کی گود میں تھا(وہ ایک زور کی چیخ مارکررونے لگی)ابوموسی رضی اللہ عنہ اس وقت کچھ بول نہ سکے،لیکن جب ان کو ہوش آیا توانہوں نے فرمایا کہ میں بھی اس کام سے بیزار ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ نے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے (کسی غم کے وقت) چلا کررونے والی، سرمنڈوانے والی اور گریبان چاک کرنے والی عورتوں سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا تھا۔

اسی طرح نوحہ کرنے والی عورتوں پر نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:عن أبى أمامة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الخامشة وجهها، والشاقة جيبها، والداعية بالويل والثبور (سنن ابن ماجه: كتاب الجنائز، باب النهى عن ضرب الحدود وشق الجيوب: ١٥٨٥، صحيح) ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پرلعنت کی جواپنا(نوحہ میں)چہرہ نوچے، اپنا گریبان پھاڑے اورخرابی بربادی اور ہلاکت کے الفاظ پکارے۔ایک اورحدیث میں ہے:صوتان ملعونان، صوت مزمار عند نعمة وصوت ويل عند مصيبة (أخرجه البزار:٧٥١٣، والديلمى فى الفردوس: ٣٧٧٨، والضياء فى الأحاديث المختارة: ٢٢٠٠، واللفظ له، مجمع الزوائد: ١٦/٣، رجاله ثقات، السلسلة الصحيحة:٤٢٧، اسناده حسن) دوآوازیں ملعون ہیں:خوشی کے وقت بانسری کی آواز(گانے بجانے کی آواز)اورمصیبت کے وقت ہلاکت وبربادی کی آواز۔

اور یہ ایسا سنگین گناہ ہے جس سے بچنے کے لئے نبی کریم ﷺ خواتین سے بیعت لیتے تھے،جیسا کہ حدیث میں ہے:عن أنس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ على النساء حين بايعهن أن لاينحن، فقلن: يارسول الله، ان نساء أسعدننا فى الجاهلية، أفنسعدهن؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا اسعاد فى الاسلام (سنن النسائى: كتاب الجنائز، النياحة على الميت: ١٨٥٢، صحيح) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس وقت عورتوں سے بیعت لی توان سے یہ بھی عہد لیا کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی،تو عورتوں نے کہا: اللہ کے رسول! کچھ عورتوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) ہماری مدد کی ہے،تو کیا ہم ان کی مدد کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام میں (نوحہ پر) کوئی مدد نہیں۔دوسری حدیث میں ہے:عن أم عطية رضى الله عنها، قالت: أخذ علينا النبى صلى الله عليه وسلم عند البيعة أن لا ننوح (صحيح البخارى: كتاب الجنائز، باب ما ينهى من النوح والبكاء:١٣٠٦) ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت لیتے وقت ہم سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ ہم (میت پر) نوحہ نہیں کریں گی۔اس سے اس گناہ کی سنگینی وخطرناکی واضح ہوجاتی ہے کہ نبی ﷺ بیعت کے وقت خواتین سے اس سے بچنے کا عہدوپیمان لیتے تھے۔

اس گناہ کی خطرناکی اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ نوحہ سے میت کوعذاب دیا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:من نيح عليه يعذب بما نيح عليه (صحيح البخارى: كتاب الجنائز باب مايكره من النياحة على الميت: ١٢٩١) کسی میت پر اگرنوحہ وماتم کیا جائے تواس نوحہ کی وجہ سے بھی اس پرعذاب ہوتا ہے۔

ایک اورحدیث میں ہے:عن النعمان بن بشير رضى الله عنهما قال: أغمى على عبدالله بن رواحة، فجلعلت أخته عمرة تبكى: واجبلاه واكذا واكذا تعدد عليه، فقال حين أفاق: ماقلت شيئا الا قيل لى: انت كذلك؟ (صحيح البخارى: كتاب المغازى، باب غزوة موته من أرض الشام:٤٢٦٧) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ پر (ایک مرتبہ کسی مرض میں) بے ہوشی طاری ہوئی توان کی بہن عمرہ (والدہ نعمان بن بشیر) یہ سمجھ کر کہ کوئی حادثہ آگیا،عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے لئے پکارکررونے لگیں۔ہائے میرے بھائی ہائے، میرے ایسے اور ویسے۔ان کے محاسن اس طرح ایک ایک کرکے گنانے لگیں،لیکن جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کوہوش آیا توانہوں نے کہا کہ تم جب میری کسی خوبی کا بیان کرتی تھیں تو مجھ سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا تم واقعی ایسے ہی تھے۔دوسری روایت میں ہے:فلما مات لم تبک عليه (صحيح البخارى: كتاب المغازى،باب غزوة موته من أرض الشام:٤٢٦٨) چنانچہ جب (غزوہ موتہ) میں وہ شہید ہوئے توان کی بہن ان پر نہیں روئیں۔

مذکورہ احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوحہ خوانی ایک گناہ کبیرہ ہے، جاہلیت کے اعمال میں سے ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ مصائب ومشکلات اورحادثات میں صبر سے کام لیں، اللہ کے فیصلے سے راضی رہیں اور اللہ تعالیٰ سے اجروثواب اورنعم البدل کی امید رکھیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہرچیز پرقادر ہے۔

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

حسنِ اخلاق کی اہمیت

مولانا ابوالکلام آزادؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱) تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (۲) کامل ایمان اس مومن کا ہے، جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔ (۳) قیامت کے روز اعمال کی ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہ ہوگی۔ (۴) انسانوں کو قدرت کی طرف سے جو چیزیں عطا ہوئی ہیں ان میں سب سے بہتر چیز اچھے اخلاق ہیں۔ (۵) بندوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (۶) آخرت کی زندگی میں میرے لیے سب سے پسندیدہ وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہوں اور وہی مجھ سے قریب تر ہوگا۔ (سیرۃ النبی جلد ششم ص ۲۰-۲۲) (۷) کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ مومنوں میں سے افضل کون ہے؟ فرمایا: **احسنهم خلقا** (جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہو) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی ص ۳۶۱) (۸) انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ حاصل کر سکتا ہے، جو مسلسل روزے رکھنے اور راتوں کو مسلسل عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

آخری ارشاد کے سلسلے میں اتنا عرض کر دینا چاہیے کہ یہ ایک اسلوب بیان ہے، جس میں حسن اخلاق کو اس درجے پر رکھ کر پیش کیا گیا ہے جو نماز اور روزے جیسی نفلی عبادات سے حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص فضائل اخلاق کے ساتھ نفلی عبادت میں بھی سرگرم رہے گا، اس کا درجہ اور بھی بلند ہوگا۔

غرض ان ارشادات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضائل اخلاق کو دین حق میں کتنا بلند رجہ حاصل ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ اخلاق درست ہوں گے تو افراد و جماعات میں میل جول بڑھے گا۔ ان میں محبت و ہمدردی کو فروغ حاصل ہوگا۔ ایک دوسرے کے نفع و نقصان اور دکھ سکھ کا احساس ترقی کرے گا۔ کش مکش کے اسباب رفتہ رفتہ زائل ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ پورا مجمع انسانیت ایک کنبے کے افراد اور ایک خاندان کے اعضا کی حیثیت میں رہنے سہنے لگے گا۔ ہر قلب میں احترام آدمیت کو صحیح مقام مل جائے گا۔ یہی اسلام کا اصل نصب العین ہے۔ اس کی طرف پیش قدمی جاری تھی کہ اچانک ملوکیتوں اور بادشاہیوں کا دور شروع ہو گیا، جس کی ظلمت و تیرگی میں قافلہ اسلام کی ہر متاع عزیز گم ہو گئی اور اب کسی بھی چیز کا ٹھیک ٹھیک سراغ لگا لینا خاصا مشکل ہو گیا ہے۔ اگر کسی کا سراغ مل بھی جائے تو ہم لوگوں کے ذہنوں میں دور ملوکیت کے وقت سے دین حق کا جو نقشہ جما ہوا ہے، اس میں کسی بازیافتہ شے کے لیے موزوں جگہ نکالنا بظاہر آسان نہ ہوگا۔

باقی رہی تبلیغ اسلام تو وہ ہر مسلمان کے لیے فرداً فرداً اور ہر اسلامی جماعت کے لیے اجتماعاً اس دنیا میں اولین شے ہے۔ نہ محض اس لیے کہ اسلام حق ہے اور حق کو پھیلانا ہر فرد و جماعت کے لیے بہترین سعادت ہے، اس لئے بھی کہ ہم جنسوں کی پرخلوص بہی خواہی ہر مسلمان کے اہم فرائض میں داخل ہے اور تمام ہم جنسوں کو نعمت اسلام کا حامل بنا دینے سے بڑھ کر بہی خواہی کوئی نہیں ہو سکتی، جس پر دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود موقوف ہے۔ لیکن تبلیغ اسلام کے لیے بھی سازگار فضا صلح و امن ہی سے میسر آسکتی ہے۔ اگر نفرت و مخالفت کی آگ دلوں میں بھڑک رہی ہو تو کسی کو پیغام حق سنانے کی کیا صورت ہوگی؟ سیرۃ طیبہ سے ظاہر ہے کہ بدر و حنین کی فتوحات بے شائبہ ریب بہت عظیم القدر تھیں تاہم فتح مبین صلح حدیبیہ ہی قرار پائی، جس نے طول و عرض عرب میں دلوں کے دروازے اسلام کے لیے کھول دیے اور یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا کا روح افروز منظر سب نے دیکھ لیا۔

ایمان کیا ہے؟

صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں سے صرف چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں تا کہ اندازہ ہو سکے ایمان و اسلام حقیقۃً کیا ہیں؟ مثلاً

(۱) مسلمان وہ ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان کو کوئی گزند نہ پہنچے اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی ہر شے ترک کر دے۔

(۲) اس وقت تک کوئی شخص حقیقۃً مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے مومن بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۳) جس میں تین باتیں ہوں، اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔

و۔ اللہ اور رسولؐ اس کے نزدیک ماسوا سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

ب۔ ہر فرد کے ساتھ صرف اللہ کے لیے محبت کرے یعنی محبت کے ساتھ کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔

ج۔ کفر کی طرف لوٹ جانا اسے اتنا ہی برا معلوم ہو، جتنا آگ میں ڈالا جانا۔

۴۔ تین باتیں ہیں، جس نے یہ جمع کر لیں، اس نے ایمان جمع کر لیا۔

ا۔ اپنے نفس کے مقابلے میں بھی انصاف پر قائم واستوار رہنا۔

ب۔ دنیا میں سلامتی اور حق پھیلانا۔

ج۔ تنگ دستی کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

(۵) حضورﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا اسلام بہتر (خیر) ہے۔ فرمایا: کھانا

کھلانا اور سب کو سلام کہنا یعنی سلامتی کی دعا دینا، خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

۶۔خود ابوذرؓ غفاری کی روایت ہے کہ میں نے غلام کو گالی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے سن لی اور فرمایا ابوذرؓ ابھی تم میں جاہلیت باقی ہے۔ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انھیں تمہارے ماتحت کردیا ہے۔ جس کا بھائی ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ بھائی کو ویسا ہی کھلائے جیسا آپ کھائے، ویسا ہی پہنائے جیسا آپ پہنے اور بھائی سے ایسا کام نہ لے، جو اس سے نہ ہو سکے۔ کوئی سخت کام ہو تو خود اس کی مدد کرے۔

۷۔جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے۔ وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو، وہ دل ہے۔

۸۔مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

۹۔جب دو مسلمان تلواروں کے ساتھ مقابلے پر آئیں تو قاتل و مقتول دونوں آگ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ قاتل تو ہوا مگر مقتول کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا (لیکن موقع نہ پاسکا اور خود مارا گیا)

۱۰۔جس میں چار باتیں ہوں، وہ خالص منافق ہے۔

ا۔امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

ب۔بات کہے تو جھوٹ بولے۔

ج۔عہد کرے تو اسے پورا نہ کرے۔

د۔جھگڑے تو ناحق کی طرف چلا جائے۔

ان میں سے کوئی بھی بات کسی میں ہو تو نفاق کی علامت ہوگی تا آنکہ وہ اسے ترک کردے۔

۱۱۔خدا کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے، جس پر مداومت کی جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔

۱۲۔''کتاب الادب'' میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا۔ عرض کیا: کون یا رسول اللہ؟ فرمایا: جس کا پڑوسی اس کی بدیوں سے امن میں نہ ہو۔

ان ارشادات پر غور فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عالم انسانیت کو کس راستے پر چلنے کی دعوت دی؟ آیا اس کے سوا امن عالم اور بہبود انسانیت کا کوئی راستہ ہوسکتا ہے؟ ساتھ ہی سوچیے کہ جس سرچشمۂ فلاح وصلاح کونین سے یہ اور ایسی ہزاروں موجیں اٹھیں، اس کے طیب وطاہر ہونے کا درجہ کتنا بلند ہوگا۔

حسن خلق: رسول اللہ ﷺ نہایت نرم مزاج اور خوش اخلاق تھے۔ چہرۂ مبارکہ پر اس قسم کی کیفیت چھائی رہتی تھی جس سے دیکھنے والے پر لطف وشفقت کا اثر پڑتا۔ گفتگو وقار ومتانت سے فرماتے، ایک ایک جملہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے۔ ہر ایک کو نرمی سے سمجھاتے۔ کبھی کسی کی دل شکنی گوارا نہ فرمائی۔ آپ سوار ہوتے اور راستے میں کوئی صحابی مل جاتا تو اسے سوار کرا دیتے اور خود اتر آتے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا تو ڈھیلے مار مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھے پکڑ کر خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارا کرو، پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

ایک مرتبہ حالت قحط میں ایک صاحب نے باغ سے کھجور کے خوشے توڑ کر کھائے اور کچھ دامن میں رکھ لیے۔ باغ کے مالک نے اسے مارا اور کپڑے اتروا لیے۔ پھر شکایت لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا۔ کھجوریں توڑنے والا بھی ساتھ تھا۔ آپ نے مالک باغ سے کہا۔ یہ جاہل تھا، اسے تعلیم دینی چاہیے تھی۔ بھوکا تھا، کھانا کھلانا چاہیے تھا۔ یہ فرما کر کپڑے واپس دلائے اور اسے ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے دیا جو ہمارے حساب سے تین من تیرہ سیر اور دو چھٹانک ہوتا ہے۔

مجلس نبویؐ میں بیٹھنے کی جگہ نہ رہتی تو نئے آنے والے کے لیے ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ سلام میں پیش دستی فرماتے۔ راستہ چلتے تو مرد، عورت، بچہ جو سامنے آتا اسے سلام کرتے۔ زبان مبارک پر کبھی کوئی غیر مناسب لفظ نہ آیا۔ انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ جب کسی پر عتاب کرتے تو فرماتے: مالہ ترب جبینه (بخاری کتاب الادب) اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔ محاورے میں اس فقرے کا استعمال ہلکے زجر کے رنگ میں ہوتا ہے۔

بچوں پر شفقت: حضور ﷺ بچوں پر بہت شفقت فرماتے۔ آپ سفر سے تشریف لاتے اور لوگ استقبال کے لیے نکلتے تو بچے بھی ساتھ ہوتے اور وہ معمول کے مطابق دوڑ کر ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے۔ جو پہلے پہنچتے انھیں آپ ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ راستے میں مل جاتے تو انھیں خود سلام کرتے اور ان سے بھی شفقت کا یہی برتاؤ ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ اس کی دو بچیاں بھی ساتھ تھیں۔ اتفاق سے حضرت عائشہؓ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ ایک کھجور پڑی تھی وہ اس عورت کو نذر کردی۔ اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو فرمایا جس کے دل میں خدا اولاد کی محبت ڈالے اور وہ اس محبت کا حق ادا کرے تو دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

یہ شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی۔ ایک دفعہ کسی غزوے میں چند بچے بھی بے ارادہ وعلم مارے گئے، آپ کو اطلاع ملی تو بڑا رنج ہوا۔ کسی کی زبان سے نکلا یا رسول اللہ وہ مشرکین کے بچے تھے۔ فرمایا: مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

جابرؓ بن سمرہ صحابی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پھر آپ کے ساتھ ہولیا۔ سامنے سے چند اور بچے آگئے۔ آپ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

غلاموں پر شفقت: اوپر گزر چکا ہے، ابوذرؓ غفاری سے آپ نے فرمایا تھا: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاؤ، انھیں کھلاؤ، جو خود پہنو، انھیں پہناؤ، چنانچہ اس کے بعد سے ابوذرؓ نے اپنے غلام کو ہمیشہ کھانے پہننے وغیرہ میں اپنے برابر رکھا۔

غلاموں کے لیے لفظ غلام بھی گوارا نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: انھیں غلام یا لونڈی کہہ کر نہ پکارا کرو۔ ''میرا بچہ''، ''میری بچی'' کہا کرو۔ آپ کے پاس جو غلام آتا، اسے آزاد کر دیتے۔ لیکن وہ لوگ آزاد ہو کر بھی آپ کو شفقت کی زنجیر میں جکڑے رہتے۔ زیدؓ بن حارثہ کا واقعہ محتاج تفصیل نہیں۔ ان کے والد اور چچا لینے کے لیے آئے اور ہر قیمت ادا کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ آپ پہلے ہی زیدؓ کو آزاد کر چکے تھے۔ جانے نہ جانے کا معاملہ زیدؓ ہی پر چھوڑ دیا انھوں نے جانے سے انکار کر دیا اور آپ کے آستانہ رحمت کو والدین اور دوسرے خونی اقربا کے ظل عاطفت پر ترجیح دی۔ محبت و شفقت کے اس اعجاز کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہے، جس کے سامنے قریب ترین خونی رشتے بھی بے حقیقت رہ گئے تھے؟ زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ سے آپ کو جتنی محبت تھی، وہ اسی سے ظاہر ہے کہ بعض نہایت اہم معاملات میں اسامہؓ ہی کو آپ کی بارگاہ میں سفارشی بنایا جاتا تھا اور فتح مکہ میں داخلے کے وقت اسامہؓ حضور ﷺ کے ردیف تھے۔

ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی کہ خدا کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔ صحابی نے مڑ کر دیکھا تو خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسے لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تمہیں چھو لیتی۔

سب سے آخری وصایا میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ غلاموں اور لونڈیوں کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہنا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ غلاموں کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپ خاموش رہے۔ جب تیسری مرتبہ یہی گزارش کی تو فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ۔

غریبوں پر شفقت: رسول اللہ ﷺ اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا یہ کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ مساکین دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ پھر فرمایا: عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ کچھ نہ ہو تو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی سہی، ضرور دے دو۔ عائشہؓ! غریبوں سے محبت کرو۔ انھیں اپنے سے نزدیک رکھو، خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا۔ ایک طرف فقرائے مہاجرین کا حلقہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اس حلقے میں بیٹھ گئے۔ میں بھی وہیں جا بیٹھا۔ فرمایا: فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں جائیں گے۔ فرمایا:

جو شخص کسی بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرتا ہے۔ اس کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی ہے یا اس شخص کی جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب الادب)

عوالی میں ایک بڑھیا بیمار تھی، اس کے جانبر ہونے کی امید نہ تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اس کی وفات ہو تو مجھے ضرور خبر کرنا۔ میں جنازے کی نماز پڑھاؤں گا۔ اتفاق سے بڑھیا کا انتقال کچھ رات گئے ہوا۔ صحابہ نے آپ کو رات کے وقت اٹھانا گوارا نہ کیا اور بڑھیا کو دفن کر دیا۔ صبح کے وقت آپ نے دریافت فرمایا اور پوری کیفیت معلوم ہوئی تو اس خاتون کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی۔

ایک مرتبہ ایک قبیلہ مسافر وارد مدینہ منورہ آیا۔ اس کی حالت بہت خستہ تھی۔ کسی کے بدن پر ثابت کپڑا نہ تھا۔ پاؤں ننگے تھے۔ کھالیں بدن پر بندھی ہوئی تھیں اور تلواریں گلوں میں ڈال رکھی تھیں۔ حضور ﷺ کی نظر مبارک ان لوگوں کی خستگی پر پڑی تو چہرہ انور کا رنگ بدل گیا۔ حالت اضطراب میں اندر تشریف لے گئے۔ پھر باہر آئے اور بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد ایک خطبے میں سب کو ان غریبوں کی امداد پر آمادہ کر دیا۔

شفقت و رافت عامہ کے باب میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ عبادات نافلہ چھپ کر ادا فرماتے تا کہ عام لوگوں کے لیے آپ کی پیروی میں اس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو۔

مساوات: مساوات کی جیسی عملی مثالیں رسول اللہ ﷺ کی سیرۃ طیبہ میں ملتی ہیں، ویسی اور کہاں ملیں گی؟ اس سے بڑھ کر مساوات کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کی شادی اپنی پھپھیری بہن سے کر دی تا کہ اونچ نیچ کے فرضی اور خود ساختہ سانچے ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اس کے مندرجہ الفاظ پر غور فرمائیں:

اے گروہ قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

یہ مساوات کا محض درس و وعظ ہی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ سب سے بڑی، موثر اور ناقابل تردید دلیل بھی تھی۔ دنیا کے تمام انسان آدم کی اولاد ہیں۔ آدم ہی سب کے مورث اعلیٰ تھے۔ اگر ایک گھرانے کے تمام ارکان درجے میں یکساں ہوتے ہیں تو پھر آدم کی اولاد میں چھوٹے بڑے، ادنیٰ، اعلیٰ، آقا غلام کی تفریق کس بنا پر جائز سمجھی جا سکتی

ہے؟ خون، رنگ، نسل، دولت وغیرہ کے امتیازات ان لوگوں نے پیدا کیے، جن کے ہاتھ سے حقیقت کا رشتہ نکل چکا تھا اور جو ہوسنا کیوں کی بناء پر انسانیت کے ٹکڑے کرنے کے درپے ہوگئے تھے۔ اللہ کے نزدیک انسانوں میں مراتب کا انحصار حسن عمل پر ہے۔ جس کے پاس عمل کا اندوختہ زیادہ ہوگا۔ وہ خدا کے نزدیک سب پر فائق ہوگا، اگرچہ کالا اور مفلس ہو۔ وہ لوگ اس سے نیچے رہیں گے جو حسن عمل میں اس کے برابر نہ ہوں گے، خواہ ان کے رنگ کتنے ہی گورے اور ان کی دولت وثروت کتنی ہی لامتناہی ہو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں زیدؓ، اسامہؓ، بلالؓ یا دوسرے مساکین کا درجہ عباسؓ سے کم نہ تھا جو آپ کے چچا تھے۔ جنگ بدر میں وہ قید ہو کر آئے تو انصار نے اس بنا پر ان کا زرفدیہ معاف کردینا چاہا کہ عباسؓ کے والد رشتے میں انصار کے بھانجے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، ایک دام بھی معاف نہ کرو۔

آپ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ برابر کام کرتے رہے۔ خندق کی کھدائی میں بھی آپ نے برابر حصہ لیا۔ سفر میں صحابہ کھانا پکانے کا کام مل جل کر کرتے۔ آپ بھی کوئی نہ کوئی کام اپنے ذمے لے لیتے۔ ایک مرتبہ کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں لانے کا کام آپ نے سنبھالا۔ فدائیوں نے عرض کیا کہ یہ کام ہم کرلیں گے۔ فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ اپنے آپ کو تم سے ممتاز رکھوں۔ خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو ہمراہیوں میں ممتاز بنے۔

جنگ بدر کے سلسلے میں مدینہ منورہ سے نکلے تو سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ تین تین کے حصے میں آیا۔ باری باری ہر فرد سوار تھا۔ حضور ﷺ کے بھی دو ساتھی تھے۔ وہ عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں۔ ہم پیدل چلیں گے۔ فرمایا: نہ میں چلنے میں تم سے کم طاقت ور ہوں اور نہ ثواب کے لیے میں تم سے کم محتاج ہوں۔

مشہور واقعہ ہے کہ بنی مخزوم میں سے ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ بعض لوگ اسے چھڑانا چاہتے تھے اور اس غرض سے اسامہؓ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اسامہ کی درخواست سنی تو فرمایا: کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟ پھر خطبہ دیا، جس میں ارشاد ہوا: پہلی امتیں صرف اس وجہ سے برباد ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کا مرتکب ہوتا تو اس سے چشم پوشی کی جاتی۔ کوئی معمولی آدمی پکڑا جاتا تو اسے سزا دلاتے۔ خدا کی قسم، اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اسے بھی قطع ید کی سزا ضرور دی جاتی۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے خوب فرمایا:

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

(رسول رحمت)

تاریخ ردقادیانیت اور خدمات اہل حدیث کے سلسلہ میں معلومات کا خزانہ

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے قلم سے

تحریک ختم نبوت (1 تا 25 جلدیں)

تاریخ اہل حدیث (1 تا 9 جلدیں)

مکتبہ ترجمان کی مطبوعات پر 50% کی رعایت، مدارس، جامعات، مکتبات اور تاجران کتب درج ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

فون: 011-23273407، فیکس: 011-23246613

حادثۂ کربلا۔ تاریخ کے آئینے میں

مولانا عبدالباسط جامعی ریاضی
ایم۔اے۔عثمانیہ، رائیدرگ

۴۰ھ میں اہل عراق نے حضرت حسن بن علیؓ کو خلیفہ بنایا، معاویہؓ فوج لے کر آئے تو اہل عراق میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تو حضرت حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کر لی، اس سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا، صلح کے لیے معاویہؓ نے امام حسنؓ کے تمام شروط کو قبول کرلیا، معاویہؓ کی خلافت کے لیے عام بیعت ہوئی، حسن اور حسینؓ نے بھی بیعت کی، یہ صلح ربیع الاول ۴۰ھ میں ہوئی اس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں، معاویہؓ نے حکمت عملی، سیاست، دانشمندی اور مراعات کے ساتھ ہر ایک کا خیال رکھتے ہوئے ۲۰ سال حکومت کی، ان کے دور خلافت میں ملک میں امن رہا اور فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہوا، انہوں نے مدینہ منورہ کے بجائے دمشق کو دارالخلافہ بنایا، جو ملک شام کا قدیم ترین شہر ہے ان کی حکومت کامیاب رہی۔

۶۰ھ میں خلافت، ملوکیت میں بدل گئی معاویہ نے اپنے فرزند یزیدؒ کو جانشین بنایا اور اس کے لیے بیعت لی، بیعت کے لیے مدینہ منورہ گئے، سب لوگوں نے بیعت کی مگر عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسین بن علیؓ و دیگر اعیان مدینہ بیعت سے انکار کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے، مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت قائم کرلی، معاویہؓ بیمار ہو کر یکم رجب ۶۰ھ مطابق ۷ اپریل ۶۸۰ کو انتقال کر گئے، ضحاک بن قیس نے ان کی وفات کا اعلان کیا اور نماز جنازہ پڑھائی اور وہ دمشق میں ہی دفن کیے گئے۔

حسینؓ یزیدؒ کی بیعت سے انکار کر کے مکہ آئے تو ان کے پاس لوگوں کا ازدھام رہتا تھا، ادھر عراق والوں کو معلوم ہوا کہ معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور خلافت پر یزیدؒ کے لیے بیعت ہو رہی ہے تو انہوں نے حسینؓ کو ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ تشریف لائیں آپ کو خلیفہ مانتے ہیں، یزیدؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو عراق کا گورنر بنایا، عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے حامیوں کو منتشر کیا اور محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے بھیجا، مسلم بن عقیل نے محمد بن اشعث سے کہا ابن زیاد مجھے ضرور قتل کرے گا تم میرا ایک کام کرو تو مہربانی ہوگی، تم حسینؓ کو میرے حال سے مطلع کر دینا اور لکھ دینا کہ وہ ہرگز یہاں نہ آئیں اور روانہ ہو گئے ہیں تو راستے سے واپس چلے جائیں، کوفہ والے اعتماد کے قابل نہیں، ان کے فریب میں آکر اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں، محمد بن اشعث نے کہا میں ایسا کروں گا اس نے وعدہ کے مطابق حسینؓ کو ایسا خط لکھ دیا، ابن زیاد نے مسلم اور ان کے ساتھی ہانی کو قتل کر دیا، حسینؓ کو مکہ میں جب مسلم کا خط ملا تو وہ کوفہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے خیرخواہوں نے ان کو منع کرنا شروع کیا لیکن حسینؓ ان کی خیرخواہی کا شکریہ ادا کرتے رہے اور رخصت کرتے رہے، حسینؓ جب کوفہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو ان کے خیرخواہ اور صحابہ کرامؓ نے ان کو عراق جانے سے روکا، اس کے عواقب اور انجام سے آگاہ کیا، مگر حضرت علیؓ کی طرح وہ جو رائے قائم کر چکے تھے اس پر ڈٹے رہے تمام ناصحین کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔

۱۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن حارث آئے، کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کوفہ جا رہے ہیں، سنو میرے نزدیک آپ کا عراق جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کوفہ میں بنوامیہ کا گورنر موجود ہے۔ جس کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لوگ روپئے پیسے کے غلام ہوتے ہیں کیا آپ کوفہ والوں سے خلافت کی بیعت لیں گے تو کیا یزید اور شامی فوج خاموش بیٹھی رہے گی، کچھ عجب نہیں کہ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے وہی آپ سے لڑنے کے لیے آجائیں حسینؓ نے ان کی خیرخواہی کا شکریہ ادا کیا اور رخصت کیا۔

۲۔ حبرالامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی پہنچے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا ارادہ کوفہ جانے کا ہے، حسینؓ نے کہا ہاں آج سے کل تک روانہ ہو جاؤں گا، حضرت ابن عباسؓ نے کہا میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کیا اہل کوفہ نے وہاں کے گورنر کو نکال کر اپنا قبضہ کر لیا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو جو لوگ آپ کو بلا رہے ہیں درحقیقت وہ جنگ کے لیے بلا رہے ہیں، امراء اور عمال کے ہوتے ہوئے کوئی شخص آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا بلکہ مجھے تو یہ خطرہ ہے کہ وہی لوگ جو آپ کے طرفدار ہیں، وعدہ خلافی اور بیوفائی کریں گے اور خود آپ کے مقابلہ میں لڑنے کے لیے آئیں گے حسینؓ نے فرمایا کہ میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔

۳۔ دوسرے دن پھر عبداللہ بن عباسؓ حسینؓ کے پاس پہنچے اور ان کو بہت سمجھایا کیوں کہ وہ حضرت علیؓ خلافت کے زمانے میں بصرہ کوفہ کے گورنر رہ چکے تھے، انہوں نے کہا کہ ہر چند میں اپنے دل کو سمجھاتا ہوں لیکن کسی طرح صبر نہیں آتا، میں دیکھ رہا ہوں جو ارادہ آپ نے کیا ہے اس میں کسی طرح آپ کی جان سلامت نہیں رہ سکتی اہل عراق نہایت بیوفا ہیں، ان کے فریب میں نہ آیئے، اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو پہلے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کو طلب کیا ہے لکھئے کہ کوفہ کے امیر کو نکال دیں اور وہاں کی فوج کو اپنے قبضہ میں لے لیں اس وقت جایئے، دوسرا آپشن یہ ہے کہ بجائے عراق کے یمن کی طرف تشریف لے جائیں وہاں آپ کے والد کے بہت سے مددگار رہتے ہیں اور کثرت سے قلعے اور پہاڑ ہیں اور وہ ایک وسیع ملک ہے، ہر طرف اپنے مبلغ بھیجئے اور سرداروں سے مراسلت کیجئے، وہاں کامیابی کی زیادہ امید ہے اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اہل حجاز آپ کو سردار مانتے ہیں یہیں قیام کیجئے لیکن حسینؓ نے ان کی کسی بات کو منظور نہیں کیا اور عراق کی روانگی پر مصر رہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان

میں آپ کے اونٹ کے آگے اس سفر سے روکنے کے لیے لیٹ جاتا لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ پھر بھی نہیں مانیں گے، کم از کم اتنا تو کیجیے کہ اہل وعیال کو ساتھ نہ لے جائیے مجھے ڈر ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ اپنے بچوں کے سامنے قتل کیے گئے کہیں آپ کا بھی یہی حال نہ ہو، حسینؓ نے ان کے کسی مشورے کو قبول نہ فرمایا اور مع اہل وعیال کوفہ روانہ ہوگئے۔

۴۔ راستہ میں عربی کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی، وہ کوفہ سے آرہے تھے ان سے وہاں کی کیفیت پوچھی انھوں نے شاعرانہ جواب دیا، اہل کوفہ کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں، اور جس کے پاس تلواریں ہوتی ہیں اسی کی حکومت ہوتی ہے۔

۵۔ جب ذرا اور آگے بڑھے تو مدینہ سے عبداللہ بن جعفر کا قاصد دوڑتا ہوا آیا اوران کا خط دیا، عبداللہ بن جعفر نے لکھا تھا کہ آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ پلٹ آیئے اسی کے ساتھ مدینہ کے گورنر کا خط بھی منسلک تھا کہ آپ مدینہ میں آکر رہیں آپ کو امان ہے لیکن حسینؓ نے واپسی سے انکار کردیا۔

۶۔ چند منزلوں بعد عبداللہ بن مطیع ملے جو عراق سے مکہ کو آرہے تھے انہوں نے بھی کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں واپس چلیے اور عراقیوں کے فریب میں نہ آیئے، بنی امیہ سے اگر آپ خلافت لینے کی کوشش کریں گے تو آپ قتل کردیئے جائیں گے، اس کے بعد کسی ہاشمی کسی عرب اور کسی مسلمان کے قتل میں ان کو باک نہ ہوگا، لہٰذا آپ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈال کر قریش کی حرمت اور اسلام کی حرمت نہ مٹایئے، مگر حسینؓ نے ان کی بات نہ سنی۔

۷۔ مقام ثعلبہ میں پہنچ کر محمد بن اشعث کی تحریر اور مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی، اس وقت ان کے بعض ہمراہوں نے کہا کہ اب جانا لاحاصل ہے، کیوں کہ کوفہ میں کوئی حامی اور مددگار ہم کو نہیں مل سکتا، بلکہ خوف ہے کہ جو وقت مسلم پر آیا وہی ہم پر بھی نہ آئے، یہ سن کر عقیل کے بیٹے بگڑ کر بولے ہرگز منہ نہیں پھیر سکتے، یا تو مسلم کا بدلہ لیں گے یا انہی کی طرح جان دے دیں گے اس لیے یہ قافلہ آگے بڑھا، غیر قریش لوگ رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑتے گئے، صرف خاص کنبہ کے لوگ جو جاں نثار تھے ساتھ رہ گئے۔

۶۱ھ ۲ محرم کو مقام شراف میں حر بن یزید تمیمی نے اپنی فوج کے ساتھ آپ کو گھیر لیا اور کربلا کی طرف لے آیا، پھر عمرو بن سعد ایک فوج کے ساتھ آیا اور کربلا میں مقابلہ کے لیے تیار ہوگیا، اس کے بعد ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو فرمان بھیجا کہ حسینؓ کے سامنے یزید کی بیعت پیش کرو، اگر وہ بیعت کرلیں گے تو پھر جو حکم ہم مناسب سمجھیں گے دیں گے اگر نہ کریں تو ان کے قافلہ کا پانی بند کرو پھر شمر ذی الجوشن کو بھی ایک دستہ فوج دے کر بھیجا، حسینؓ فوجیوں سے کہتے تھے جہاں سے ہم آئے ہیں وہاں واپس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف جانے دو، لیکن ابن زیاد نے کہا کہ سوائے میرے حکم کی تعمیل کے اور کوئی صورت نہیں، جب ہمارے چنگل میں آچکے ہیں تو بچ کر جانہیں سکتے، حسینؓ کب اس کو گوارا کرسکتے تھے۔

آخر ۶۲ھ ۱۰ محرم الحرام کو کربلا کے میدان میں جنگ ہوئی، ایک طرف حسینؓ کے ۸۰ ہمراہیوں کی مختصر سی جماعت تھی، دوسری طرف عراقی فوج تھی۔ جس میں ایک بھی شامی فوج نہ تھا انہی غدار عراقیوں نے حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت تھی بہت تھوڑے عرصہ میں لڑائی کا فیصلہ ہوگیا، حسینؓ کے ساتھ ان کے ۱۷ ہمراہی شہید ہوئے ابن سعد کے ۸۸ آدمی مارے گئے، اہل عراق حسینؓ کے سر کو اور ان کی خواتین کو اور علی بن حسینؓ کو جو مریض تھے ابن زیاد کے محل میں اس کے سامنے لے گئے اس نے ان سب کو عراقی روساء کے ساتھ دمشق روانہ کیا۔

۶۲ھ ۲۰ محرم کو جب یزیدؒ کے پاس پہنچے تو اس کو یہ کیفیت دیکھ کر بہت رنج ہوا آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر کہا ابن زیاد پر اللہ کی لعنت ہے، میں اگر اس کی جگہ ہوتا تو درگزر سے کام لیتا، پھر اپنے درباریوں اور اہل عراق کی طرف متوجہ ہوا اور کہا تم جانتے ہو حسینؓ کیوں اس حال کو پہنچے، یہ کہتے تھے کہ میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر، میری ماں یزید کی ماں سے بہتر، میرے نانا یزید کے نانا سے بہتر اور میں خود یزید سے بہتر اور خلافت کا زیادہ حقدار ہوں، میرے اور ان کے باپ کے درمیان میدان صفین میں جو فیصلہ ہوا وہ دنیا جانتی ہے باقی رہیں اُن کی والدہ وہ فاطمہ بنت رسول ﷺ تھیں، امت میں کونسی عورت ہے جو ان کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے اور اُن کے نانا جو خود رسول اللہ ﷺ تھے، جن کو ہر ایک مسلم تمام انبیاء سے افضل کہتا ہے لیکن جو کچھ ہوا ان کے اس اجتہاد کی وجہ سے ہوا کہ جس کے باپ دادا بہتر ہوں وہی خلیفہ ہو، حالانکہ انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا خیال نہیں کیا کہ:

اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران:۲۶)

اس کے بعد اہل بیت کا یہ لٹا ہوا قافلہ یزیدؒ کے محل میں لایا گیا، اس کے گھر کی عورتیں ان کے پاس جمع ہوئیں بہت روئیں اور تین دن تک ماتم کرتی رہیں، چند دنوں کے بعد یزیدؒ نے ان کو ہر طرح کا ساز وسامان دیکر مدینہ کو رخصت کیا، جو کچھ اُن کا مالی نقصان ہوا تھا اس سے دگنا دیا اور چلتے وقت علی بن حسینؓ سے کہا کہ جو تم کو ضرورت پیش آئے براہ راست مجھے لکھنا میں پوری کروں گا۔

۶۲ھ حسینؓ کی شہادت ۱۰ محرم کو ہوئی یہ دن یہودیوں کے نزدیک بہت ہی بابرکت دن ہے کیوں کہ اسی دن اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات دیکر سمندر پار کرایا تھا اسی لیے یہ لوگ ۱۰ محرم کو روزہ رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ روزہ رکھا، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو یہ روزہ نفل ہوگیا، لیکن ۱۰ محرم کو حسینؓ ابن زیاد کے ظلم وستم سے نہ بچائے گئے۔ کیوں کہ جو اللہ چاہتا ہے یا ارادہ کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

گاؤں محلہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے

اور مکاتب میں تجوید وتعلیم قرآن کریم کا اہتمام کیجئے!

حضرات! قرآن کریم بنونوع انسان وجنان کے نام اللہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے۔ جو نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، جو ہدایت کا سرچشمہ، عبرت وموعظت کا ذریعہ اور دین وشریعت اور توحید ورسالت کا اولین مرجع ومصدر ہے، جس کا حرف حرف علم وعرفان اور حکمت وموعظمت کے موتیوں سے لبریز ہے، جس کی تعلیم وتعلم اور تلاوت باعث ثواب اور جس پر عمل فوز وفلاح اور سعادت دارین کا سبب اور ضمانت ہے اور قوموں کی عزت وذلت اور عروج وزوال اسی سے مربوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اول یوم سے اس کی تلاوت وقرأت اور اس پر عمل کا خصوصی اہتمام کیا، حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کے مکاتب ومدارس قائم کئے اور سوسائٹی میں اس کی تعلیم واتباع کو خصوصیت کے ساتھ رواج دیا۔ نتیجتاً وہ اس اہتمام بالقرآن کی برکت سے ہر میدان میں اوج کمال تک پہنچے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ روشن روایت دن بدن کمزور پڑتی گئی۔ خود برصغیر میں تعلیم وتفسیر قرآن کریم تو کجا تجوید وقرأت کا عرصہ تک کما حقہ اور مضبوط انتظام نہ ہوسکا اور نہ اس پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ حالانکہ تعلیم وتعلم قرآن میں علم تاویل وتفسیر اور غور وفکر کے ساتھ ساتھ تجوید بھی مقصود تھا اور ہمارے نبی کریم محمد ﷺ نے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی تھی۔

مقام شکر ہے کہ چند دہائی قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سمیت مختلف جہات سے تعلیمی بیداری مہم کے نتیجے میں مدارس وجامعات اور مکاتب ومساجد میں تجوید قرآن کریم کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تھا جس کے ملکی سطح پر بہترین ثمرات سامنے آئے۔ پورے ملک میں مکاتب بڑے پیمانے پر قائم ہوئے اور بہت سی بستیوں میں مکتب کی تعلیم کے زیر اثر بچوں کی ذہنی طور پر نشو ونما ہونے لگی۔ لیکن روز بروز بدلتے حالات کے پیش نظر عصری تعلیم گاہوں اور کنونٹس اور گاؤں میں مدارس کی وجہ سے مکاتب بہت متاثر ہوئے۔ لہٰذا مکاتب کو بڑے اور عمدہ پیمانے پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو دین کی بنیادی باتوں اور قرآن کریم سے روشناس کرایا جاسکے۔

لہٰذا آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اس حوالے سے خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنے گاؤں اور محلوں میں صباحی ومسائی مکاتب کے قیام کو یقینی بنائیں، اگر قائم ہیں تو ان کی سرگرمی وفعالیت میں بہتری لائیں، قدیم نظام کا احیاء کریں، ان میں تجوید وتعلیم قرآن کا خصوصی اہتمام کریں تاکہ جماعت وملت کے نونہالوں کو دین واخلاق سے آراستہ کرسکیں اور انھیں دین وعقیدہ پر قائم رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک ہوکر دین حنیف، جماعت وجمعیت اور ملک وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کی توفیق بخشے، ہر طرح کے فتنے اور آزمائش سے محفوظ رکھے اور عالمی مہلک وبا کورونا وغیرہ سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ودیگر ذمہ داران

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

منی پور میں قبائلی خواتین کی برہنہ پریڈ نے پورے ملک کو شرمسار کیا

دہلی، ۲۱/جولائی ۲۰۲۳ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اپنی ایک پریس ریلیز میں منی پور میں قبائلی خواتین کی برہنہ پریڈ کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور اسے قوم کو شرمسار کرنے والا، حیاسوز اور انسانیت دشمن واقعہ قرار دیا نیز منی پور میں امن وقانون کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے جلد حالات پر قابو پانے کے لیے اپیل کی۔

امیر جمعیت نے اپنے اخباری بیان میں مزید کہا کہ اتنے لمبے عرصے تک اتنے گھناؤنے اور حیاسوز واقعے کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہونا اپنے آپ میں بذات خود بہت افسوس ناک ہے۔ اس شرمناک واقعہ نے قوم کے ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی تصاویر اور ویڈیوز دل دہلا دینے والی ہیں جن کے بارے میں سوچ کر ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے اور حیوانیت کا ننگا ناچ ناچنے والوں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی اور عبرتناک سزا کا اہتمام کیا جانا چاہیے تاکہ مستقبل میں کسی کو بھی اس طرح کی حیوانیت کا ننگا ناچ ناچنے کی جرأت نہ ہوسکے ساتھ ہی امن وقانون کی بحالی میں غفلت برتنے والوں کو بھی قرار واقعی سزا دی جانی چاہیے۔میتئی اور کوکی دونوں فرقوں کے لوگوں کو ہوش کے ناخون لینے چاہیے۔حکومت کو اس گھناؤنے کھیل اور ظلم وفساد سے روکنا چاہیے اور امن وامان کو بحال رکھنا حکومت اور انتظامیہ کا فرض ہے۔

پریس ریلیز میں امیر محترم نے عوام وخواص کو کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی سے بچنے اور امن وقانون کی صورت حال برقرار رکھنے کی اپیل کی ہے نیز اخوت و بھائی چارگی کے جذبے کو فروغ دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج کے امیر، معروف عالم دین مولانا عبدالعزیز حقانی صاحب کا سانحہ ارتحال

۲۳/جولائی ۲۰۲۳ء

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج کے امیر، معروف عالم دین استاذ الاساتذہ مفتی ومولانا عبدالعزیز حقانی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اوران کی موت کو جماعت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالعزیز حقانی صاحب کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔آپ زندگی بھر درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے رہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم منجھلاڈیہ کے مکتب اور مدرسہ احیاء السنہ کدمہ میں حاصل کی۔پھر آپ نے دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا جہاں سے فراغت حاصل کی۔

آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا عبدالحنان صاحب دلاپوری رحمہ اللہ، مولانا عین الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ، مولانا اسماعیل صاحب قاسمی رحمہ اللہ، مولانا احمد اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔فراغت کے بعد آپ نے مغربی بنگال کے دومشہور اداروں (مدرسہ ریاض العلوم اور مدرسہ دارالہدی ماٹھ پلسہ) میں یکے بعد دیگرے مسلسل پانچ سالوں تک تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے۔مدرسہ اصلاح المومنین برہیٹ میں مدتوں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔قرب وجوار کے لوگ مسلہ ومسائل پوچھنے کے لیے آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔بسا اوقات آپ فتویٰ نویسی کا کام انجام دیتے تھے۔لکھنے، پڑھنے اور تصنیف وتالیف میں بھی آپ کو دلچسپی تھی۔کئی اہم مسائل میں آپ باوجود صلاحیت وقابلیت کے مرکز کی طرف رجوع بھی کرتے تھے۔آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ان شاءاللہ۔

آپ کی تدریسی خدمات کو سراہتے ہوئے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے آل انڈیا عظمت صحابہ کانفرنس منعقدہ ۱۰-۱۱/اپریل ۲۰۱۰ء بمقام رام لیلا میدان، نئی دہلی میں آپ کو ایوارڈ سے نوازا تھا۔ادھر بہت دنوں سے علیل تھے۔گذشتہ کل مورخہ ۲۲/جولائی ۲۰۲۳ء دوران علاج رانچی میں بعمر ۷۴ سال داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پسماندگان میں اہلیہ اور عزیز اسلم حقانی سمیت چار بیٹے، چار بیٹیاں اور متعدد نواسے نواسیاں ہیں۔آپ کی تدفین آپ کے آبائی گاؤں میں عمل میں آئی جس میں بڑی تعداد نے شرکت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، دینی وعلمی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆